ہفت روزہ

8/32

خدام الدین لاہور

بیادگار

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی

شیرانوالہ دروازہ لاہور

۱۴ دسمبر ۱۹۶۲ء

یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین © لاہور

ھدیہ ۲۵ پیسے

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّلَدِهٖ وَ وَالِدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ (رواہ الشیخان)

ترجمہ:۔ انس بن مالک رضؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں کوئی مومن نہیں ہے جب تک کہ مَیں اسے اپنے بیٹے، باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔ (اس حدیث کو شیخین نے روایت کیا ہے)

تشریح:۔ شیخ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں کہ محبت کے تین اسباب ہیں۔ کمال، جمال، جود و سخا۔ یہ تینوں اوصاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے زیادہ کسی کی ذات میں موجود نہیں ۔ آپؐ کا کمال شریعتِ مطہرہ سے ظاہر ہے۔ آپؐ کا جمال احادیثِ شمائل میں موجود ہے۔ آپؐ کی روحانی و جسمانی بخشش وکرم کا تو کون اندازہ لگا سکتا ہے پھر آپؐ کی محبت تمام مخلوق سے زیادہ کیوں نہ ضروری ہو۔ ماں، باپ، بیٹے کی محبت طبعی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت محبّت عقلی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ کمال ایمان یہ ہے کہ تقاضائے عقل تقاضائے طبیعت پر غالب آ جائے۔

ایمان صرف عقائد و عمل کا نام نہیں بلکہ ان کیفیات کا نام ہے جن سے شدہ شدہ مومن کا قلب مزین ورنگین ہو جاتا ہے۔

شفاء میں سیرت محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ جنگِ اُحد میں ایک انصاری عورت کا باپ، بھائی، شوہر تینوں شہید ہوگئے۔ جب اُسے خبر ملی تو اس نے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو بخیر ہیں۔ لوگوں نے کہا ہاں بخیریت ہیں۔ اس نے کہا چلو مجھے دکھلاؤ تاکہ مَیں خود آپؐ کے روئے انور کو دیکھ لوں جب اس نے آپؐ کو دیکھ لیا تو بولی کل مصیبة بعدک جلل۔ جب آپؐ زندہ و سلامت ہیں تو اس کے بعد ہر مصیبت آسان ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات انور ہمیں اپنے مال و اولاد اور والدین اور پیاس میں سرد پانی سے بھی زیادہ پیاری تھی۔

اہلِ مکہ جب زید بن دثنہؓ کو قتل کے لئے حرم سے باہر لے چلے تو ابوسفیان بن حرب بولا۔ کہو زید قسم کھا کر بتلاؤ کیا اس وقت تمہیں یہ پسند ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہاں تمہاری جگہ ہوتے اور تم اپنے گھر ہوتے۔ زید نے قسم کھا کر کہا مجھے ہرگز یہ گوارا نہیں کہ مَیں اپنے گھر میں ہوں اور یہاں آپؐ کے جسم میں ایک کانٹا بھی چبھے۔ ابوسفیان کہنے لگا مَیں نے کسی کو اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی اس سے محبت کرتے ہیں۔

قاضی عیاض نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا آپ مجھے اپنے اہل و عیال سب سے زیادہ محبوب ہیں مجھے آپ کی یاد آتی ہے تو صبر نہیں آتا جب تک یہاں آ کر آپ کو دیکھ نہیں لیتا۔ اب غم یہ ہے کہ وفات کے بعد آپ تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہوں گے وہاں مَیں آپ کو کیسے دیکھا کروں گا اس پر یہ آیت اُتر آئی و من یطع اللّٰہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللّٰہ علیہم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولٰئک رفیقا۔ (جو لوگ اللہ و رسولؐ کا کہا مانتے ہیں وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر خدا کا انعام ہے یعنی نبی، صدیق، شہید اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی صحبت بڑی غنیمت ہے۔) آپؐ نے اُسے بلا کر یہ آیت سنا دی۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں معیت سے مراد صرف جنت میں معیت ہے۔ جہاں ہر وقت حاضر ہو کر آپؐ کا دیدار ممکن ہوگا۔ خاص آپ کے مقام و منزل میں معیت مراد نہیں۔

روایت ہے کہ عبداللہ بن زید بن عبدربہ جو صاحب الاذان کہے جاتے تھے اپنے باغ میں کچھ کام کر رہے تھے دفعتاً ان کے فرزند پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر وفات سنائی۔ اسی وقت انہوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے اور کہا اے اللہ! مجھے نابینا کر دے کہ ان آنکھوں سے اب کسی کو نہ دیکھ سکوں۔

یہ اور اس قسم کے بیشمار واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو آپؐ سے ایسی ہی محبّت تھی جیسا کہ حدیث میں موجود ہے۔ بدقسمتی سے اگر کسی کو یہ مقام حاصل نہیں تو وہ ان کی محبت میں تاویل نہ کرے جن کو یہ مقام حاصل تھا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ اُمَّتِیْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰى قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ يَّاْبٰى قَالَ مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَ مَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰى (رواہ البخاری)

ترجمہ:۔ ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری تمام اُمت جنّت میں جائے گی مگر جو انکار کرے۔ صحابہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہؐ! وہ کون ہیں جو آپ کا انکار کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ جس نے میری اطاعت کی وہ جنّت میں داخل ہوا اور جس نے نافرمانی کی اس نے مجھے نہ مانا اور میرا انکار کیا۔

تشریح:۔ انکار دو قسم پر ہے ایک یہ کہ زبان سے انکار کرے ایسا منکر کافر ہے اور کبھی جنّت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ دوسرا یہ کہ زبان سے اقرار کرتا ہے مگر اپنے طرزِ عمل میں کھلے منکر کے مشابہ ہے یہ گو اقرار کر رہا ہے مگر جب نافرمانی کرنے میں زبان سے انکار کرنے والے کے برابر ہے تو ایک نظر میں گویا یہ بھی منکر ہے لہذا اسے بھی اُن منکرین کے ساتھ کچھ دن رہنا ہوگا گو اپنے قلبی اقرار کی وجہ سے پھر نجات ہو جائے۔ رسولؐ کے لائے ہوئے دین کو ماننا ایمان ہے اور اس کی اطاعت کرنا اسی قلبی ایمان کی علامت ہے۔ نافرمان اور منکر صورت میں یکساں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور

فون نمبر ——— ۶۷۵۴۵

جلد ۸ | ۱۶ رجب المرجب ۱۳۸۲ھ | شمارہ ۳۲

بمطابق ۱۴ دسمبر ۱۹۶۲ء

محکمہ تعلیم و محکمہ جیل خانہ جات سے منظور شدہ

مستحسن اقدام

ڈپٹی کمشنر لاہور محترم میاں محمد شفیع صاحب نے ۲۶ نومبر کو لاہور کے مختلف الخیال علماء کو جمع کیا۔ اس اجلاس میں سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی موجود تھے۔ ہر دو حضرات نے علماء سے اپیل کی کہ ملک کے حفظ و بقاء اور استحکام کے پیش نظر کوئی فرقہ وارانہ تنازعہ اور مناقشہ نہ ہونا چاہیے۔ تکفیر و تفسیق کا سلسلہ بند کیا جائے۔ اختلافِ آراء قدرتی شے ہے لیکن خلفشار و انتشار اور افتراق و انشقاق پر منتج نہ ہونا چاہیے۔ ضبط و تحمل، رواداری و بردباری اور قوت برداشت کا مظاہرہ نہ صرف ملکی مفاد کا تقاضا ہے بلکہ دینی اغراض کے لئے بھی سودمند ہے۔ علماء کو اپنے اختلافات علمی سطح تک محدود رکھ کر مثبت اندازِ تبلیغ اختیار کرنا چاہیے۔ اکابر امت کی توہین و اہانت سے قطعی گریز، صلح و آشتی اور خلوص و محبت سے ملک و ملت کی خدمت وقت کا مطالبہ اور ملکی مفاد کا اہم تقاضا ہے۔

اس اپیل سے تمام شرکائے مجلس نے اتفاق کیا۔ دیوبندی حضرات میں سے مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ، صاحبزادہ عبدالرحمٰن صاحب نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ، مولانا منظور الحق اور مولانا محمد ابراہیم صاحب شریک تھے۔ بریلوی علماء کی نمائندگی محترم مولوی خلیل احمد صاحب، محمد حسین صاحب نعیمی، محمد بخش صاحب مسلم، محمود احمد صاحب رضوی اور محمد عمر اچھروی کر رہے تھے۔ محترم مولانا محمد داؤد غزنوی صاحب نے علمائے اہلِ حدیث کی طرف سے اسی سلسلے میں ایک تحریر پر دستخط ثبت کئے

۲۷ نومبر کو مقامی ہفتہ وار جرائد کے ایڈیٹروں سے ڈپٹی کمشنر صاحب اور ایس ایس پی نے اسی سلسلے میں تبادلۂ خیال کیا۔ دونوں اصحاب نے مدیرانِ جرائد سے اپیل کی کہ وہ فرقہ وارانہ سرگرمیوں اور اس سے پھیلنے والی منافرت کو فرو کرنے میں حکام کی امداد کریں۔ ایک دوسرے کی دل آزاری سے اجتناب کیا جائے اور آئندہ کسی مسلمان کو کافر نہ کہا جائے۔ اخبارات میں ایسی زبان نہ استعمال کی جائے اور نہ ایسی خبروں کو جگہ دی جائے جس سے کسی گروہ کے اکابر کی توہین کا پہلو نکلتا ہو اور ان کے متبعین کی دل آزاری کا شائبہ پیدا ہوتا ہو۔

۲۸ نومبر کو محترم شیخ خورشید احمد صاحب وزیر قانون مغربی پاکستان نے مدیرانِ جرائد سے سیکرٹریٹ کے کیٹی ہال میں خطاب کیا اور تمام مدیرانِ جرائد کو فرقہ وارانہ کشمکش سے اجتناب کی اپیل قانونی زبان میں کی۔ نپی تلی باتیں دل کی گہرائیوں سے اٹھ رہی تھی اور ملک و قوم کا درد ہر ہر لفظ سے ٹپکتا صاف دکھائی دیتا تھا۔ تمام مدیرانِ جرائد نے جو میٹنگ میں شریک تھے آپ کی باتوں سے اتفاق کیا۔

جہاں تک 'خدام الدین' کا تعلق ہے وہ ابتداء ہی سے اس پالیسی پر عمل پیرا ہے کہ کسی کو برا کہے بغیر مثبت انداز تبلیغ اختیار کیا جائے۔ ہم نے وہاں بھی واشگاف الفاظ میں کہا تھا کہ مثبت انداز تبلیغ اختیار کرنا چاہیے لیکن اس کے برعکس بعض مقرر جلسوں وغیرہ میں گالی گلوچ اور منافرت انگیز تقریروں کے ذریعہ امن عامہ تباہ کر رہے ہیں لیکن ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جاتی۔ جب تک ان کے خلاف کارروائی سے اجتناب کیا جاتا رہا اس وقت تک اس منافرت کا سدِ باب نہیں کیا جا سکتا۔ ہم نے یہ بھی وضاحت کر دی تھی کہ تکفیر و تفسیق کی مہم کو ختم کر دیا جانا ضروری ہے۔ اگر اس تکفیری مہم کو ختم نہ کیا گیا تو یہ ملک و ملت کے لئے کسی طرح بھی سود مند نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تکفیری کتب کی موجودگی میں حالات قدرے درست تو ہو سکتے ہیں لیکن اس وقت تک ختم نہیں ہوں گے جب تک کہ ان اشتعال انگیز کتب کو جن کی بنا پر موجودہ حالات پیش آئے ختم نہ کر دیا جائے۔ ان کتب میں علمائے امت کو نام لے لے کر گالیاں دی گئی ہیں پھر اسی پر بس نہیں کفر کے فتوے بھی چھاپ کر دیئے گئے اور ان میں نہ صرف علماء شامل ہیں بلکہ ان کفر کے فتووں کی زد سے سیاسی لیڈر بھی نہیں بچ سکے۔ اس لئے اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ اس فتنہ و فساد کو ختم کرنے کے لئے اس قسم کی لایعنی تحریروں کے خلاف کارروائی کی جائے۔

بہرحال اس اشتعال انگیز اور منافرت پھیلانے والی سرگرمیوں کے سلسلے میں جناب ڈپٹی کمشنر صاحب اور جناب وزیر قانون صاحب کے اس اقدام کو مستحسن قرار دیتے ہوئے اپیل کرتے ہیں کہ مثبت طریق تبلیغ اختیار کیا جائے اور اشتعال انگیز سرگرمیوں سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ ملک و ملت کے مفاد کا تقاضا ہے کہ منافرت نہ پھیلائی جائے۔ استحکام پاکستان اور وطن عزیز میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے جدوجہد کی جائے

مجلس ذکر

مؤرخہ ۶ دسمبر ۱۹۶۲ء بروز جمعرات بمطابق ۸ رجب المرجب ۱۳۸۲ھ

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ نے مندرجہ ذیل تقریر مجلس ذکر کے بعد ارشاد فرمائی۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد

مرتبہ ——— خالد سلیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

اما بعد

اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل و احسان ہے کہ ہمیں اس بے دینی اور کفر و الحاد کے دور میں ایمان کی دولت سے مالامال فرما کر اپنی یاد کی توفیق عطا فرمائی اور حضرتؒ کی جماعت کے ساتھ تعلق نصیب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کثرت سے اپنی یاد کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو پاؤں فی سبیل اللہ عبادت، جہاد اور ذکرِ الٰہی کے لئے گھر سے نکلے ہوں اور اُن پر مٹی یا گرد پڑ جائے تو وہ پاؤں دوزخ میں نہیں جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ذکرِ الٰہی اور درس قرآن کے لئے سفر کرکے یا پیدل جانا، یہ سب اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شامل ہے اور ان سب چیزوں کا انشاء اللہ اجر ملے گا۔

ذکر اللہ کرنے کے بے انتہا فائدے ہیں قرآن و حدیث میں اس کی بہت زیادہ تاکید ہے۔ قیامت کے دن اگر حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کوئی کمی وغیرہ رہ گئی ہوگی تو ذکرِ الٰہی کی برکت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت سے اللہ تعالیٰ ضرور بخش دیں گے۔ بشرطیکہ خاتمہ ایمان پر ہوا ہو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک نماز سے دوسری نماز تک کے گناہ ادائیگی نماز کی برکت سے معاف فرما دیتے ہیں۔ اسی طرح دو جمعوں کے درمیان اور دو رمضانوں کے درمیان کئے گئے تمام صغائر گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

جس طرح حقوق اللہ کی ادائیگی ضروری ہے اسی طرح حقوق العباد کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ حج کرنے پر اللہ تعالیٰ گذشتہ تمام گناہ معاف فرما دیتے ہیں لیکن اگر کسی پر ظلم و زیادتی کی ہوگی یا کسی کا حق ادا نہ کیا ہوگا تو یہ معاف نہیں ہوں گے۔ شہید کے سارے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں لیکن قرض معاف نہیں ہوتا۔ حقوق العباد بندوں ہی سے معاف کروائے جا سکتے ہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ انسان کی دنیا اسی وقت اچھی گذر سکتی ہے جب یہ اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے اور دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ انسان یہ خیال نہ کرے کہ فلاں مجھے سلام نہیں کرتا تو میں کیوں کروں، وہ میرے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش نہیں آتا تو میں کیوں آؤں۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ حقوق العباد انسان اسی وقت اچھی طرح ادا کر سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ کا خوف اس کے دل میں ہو۔ خوفِ خدا حقوق اللہ کی ادائیگی سے پیدا ہو سکتا ہے۔ اگر انسان حقوق اللہ کی ادائیگی اور ذکرِ الٰہی میں منہمک رہے تو وہ کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرے گا اور کسی کا حق غصب نہیں کرے گا۔

حضرتؒ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ جہلم میں ایک قتل کے سلسلہ میں دو آدمی پکڑے گئے۔ ایک قاتل اور دوسرا بے گناہ، مقدمہ میں قاتل بری ہو گیا اور بے گناہ پھانسی چڑھ گیا۔ اس علاقہ میں ایک ولی اللہ تھے۔ انہیں اس واقعہ کا علم تھا۔ انہوں نے بار بار مراقبہ کیا کہ اے اللہ! یہ کیا ماجرا ہے کہ بے گناہ پھنس گیا ہے لیکن اصل قاتل بچ گیا۔ خواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قاتل مجھ سے دعا کیا کرتا تھا کہ یا اللہ میں گناہ گار ہوں مجھے اپنے فضل سے بخش دے تو میں نے اس کو اپنے فضل سے معاف کر دیا۔ دوسرا آدمی یہ دعا کرتا تھا کہ یا اللہ میں بے گناہ ہوں تو معاف کر۔ اس آدمی نے ایک مرتبہ ایک چیونٹی کو تنکے پر اٹھا کر دریا میں ڈال دیا تھا۔ چونکہ میرا یہ قانون ہے کہ جان کے بدلے جان۔ اس لئے میں نے اس کا انصاف کیا ہے۔

حضرت اس واقعہ کو بیان فرما کر کہا کرتے تھے کہ اگر پیشاب کرتے وقت کوئی چیونٹی وغیرہ آگے آجاتی ہے تو میں اُسے تنکے سے اٹھا کر الگ کر دیتا ہوں تاکہ ہمیں اللہ تعالیٰ اس کو تکلیف پہنچنے سے ناراض نہ ہو جائیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس قدر احتیاط فرمایا کرتے تھے لیکن آج قتل، چوری، ڈاکہ اور اغوا کے ہزاروں واقعات ہو رہے ہیں۔ ان کے دل میں خوف خدا نہیں کہ قیامت کے دن ہمارا کیا بنے گا۔ دن بدن جرائم میں اضافہ ہو رہا ہے۔ آج جیل خانوں میں بھی اصلاح کا کوئی انتظام نہیں۔ بلکہ مجرموں کی ٹریننگ کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔ جیل میں سے مجرم بن کر نکلتے ہیں۔ انگریز کا قانون بھی ان جرائم کو ختم نہ کر سکا۔ ان جرائم کا قانونِ الٰہی کے علاوہ اس کا اور کوئی حل نہیں ہے۔ اگر آج مجرموں کو اسلامی قانون کے مطابق سزائیں دی جائیں تو پھر ان جرائم کا انسداد ہو سکتا ہے۔

مکہ معظمہ، مدینہ منورہ میں بہت زیادہ امن و امان ہے۔ وہاں جا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر اللہ کرنے میں بے حد لطف محسوس ہوتا ہے۔ وہ ایسی بابرکت جگہ ہے کہ وہاں جانے کو بار بار دل چاہتا ہے۔ وہ اللہ کے نیک بندوں اور اولیاء اللہ کا مرکز ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ باجماعت نماز پڑھنا ایسا ہے جیسے کسی آدمی کو اگر پنکھا جھلا جائے تو اس کے پاس بیٹھنے والے خادم لوگ بھی ہوا آتی ہے۔ اسی طرح اگر باجماعت نماز ادا کی جائے تو اللہ تعالیٰ کسی نیک کی نماز قبول فرما کر دوسروں کی نماز بھی قبول فرما لیتے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کرنے کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے:۔

فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ

(البقرہ ۲۵ ع)

(پھر جب تم عرفات سے پھرو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کو یاد کرو اور اس کی یاد اس طرح کرو کہ جس طرح اس نے تمہیں بتائی ہے۔ پہلے تو تم گمراہی میں تھے)

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا (باقی صفحہ پر)

خطبہ یوم الجمعہ ۹ رجب ۱۳۸۲ھ مطابق ۷ نومبر ۱۹۶۲ء

اولیائے کرام کی تعلیم

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ وکفٰی وسلامٌ علٰی عبادہ الذین اصطفٰی

اما بعد

محترم حضرات!

دینِ خداوندی دو چیزوں سے عبارت ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ اگر دونوں کو بتمام و کمال ادا کیا جائے تو ٹھکانہ جنت ہوگا اور اگر ان میں سے کسی ایک سے روگردانی کی جائے تو پھر قانونِ الٰہی کے مطابق جہنم میں جانا بھی یقینی ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حقوق اللہ کی راہ میں شیطان حائل ہوتا ہے اور حقوق العباد کے راستے میں نفس آڑے آتا ہے۔ شیطان کو دُور رکھنے، اس کی دست بُرد سے محفوظ رہنے، اور نفس کو مغلوب کرنے کا بہترین ذریعہ یادِ خداوندی اور کثرتِ ذکر الٰہی ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جہاں تک اذان کی آواز سنائی دیتی ہے شیطان وہاں سے بھاگ جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ والے اپنے متعلقین و متوسلین کو ذکر اللہ کی کثرت اور ہمہ وقت یادِ الٰہی میں شاغل رہنے کی ہدایت فرماتے ہیں۔ ذکر اللہ کی کثرت کے سبب سے شیطان انسان کے قریب بھی نہیں پھٹکتا اور نہ وساوسِ شیطانی دل میں راہ پا سکتے ہیں۔ اہلِ اللہ جب کسی کو ذکر کی تلقین کرتے ہیں اور اللہ کا نام بتاتے ہیں تو ان کی سب سے پہلی ہدایت یہی ہوتی ہے کہ اللہ کا ذکر اس طریق سے کیا جائے اور قلب و ذہن کو اس طرح یکسو کر لیا جائے کہ نہ زمین باقی رہے نہ آسمان، نہ جن رہے نہ شیطان حتیٰ کہ خود اپنا وجود بھی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے اور صرف اللہ کی ذات حاضر و ناظر اور موجود محسوس ہو۔ ہر شے کی نفی کر دی جائے اور صرف ایک ذات خداوندی کا اثبات پیشِ نظر ہو۔

اگر غور کیا جائے تو یہ ایک ایسی جامع و مانع تلقین ہے کہ سارے دین حق کا خلاصہ اور لب لباب اس میں آجاتا ہے اور اوامر و نواہی کا نچوڑ اس میں بند ہے، ساری تعلیمات دینیہ اور انبیائے سابقین کی کل تعلیمات اسی اجمال کی تفصیل ہیں۔

محترم حضرات!

اس طرح اللہ کا نام لینے کی برکت سے اور اس تصور کی پختگی کی صورت میں ناممکن ہے کہ کوئی شخص کسی گناہ میں ملوث ہو سکے اور احکامِ خداوندی کی نافرمانی کا مرتکب ہو۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ کوئی شخص اللہ کو سامنے بھی محسوس کرے اور اس کی موجودگی میں خلافِ شریعت احکام اور بدکاری میں مشغول ہو؟ جب ایک شخص کسی دوسرے آدمی کی موجودگی میں زنا اور چوری جیسی مذموم حرکات کا ارتکاب کرتے میں خوف اور حیا محسوس کرتا ہے تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ خالقِ کائنات اور مالکِ حقیقی کی موجودگی میں اس کا مشاہدہ کرتے ہوئے کم از کم اس کے بصیر ہونے کا احساس رکھتے ہوئے زنا، چوری، بے حیائی اور دوسری خلافِ شرع بداخلاقیوں اور برائیوں میں کوئی شخص مبتلا ہو سکے۔

چنانچہ صاف ظاہر ہے کہ صرف اس ایک خیال کے پختہ ہو جانے سے انسان ہر قسم کی برائیوں، بے حیائیوں اور احکامِ خداوندی کی نافرمانیوں سے نجات پا جائے گا۔ پھر اس تصور کی پختگی اور ذکرِ الٰہی کی کثرت سے ایک نہ ایک دن ضرور ایسا آجاتا ہے کہ انسان کی ہستی فنا ہو جاتی ہے، عشقِ الٰہی کی چنگاریاں بھڑک اٹھتی ہیں، شریعت و سنت کا اتباع اور یادِ الٰہی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے اور قلب و نظر انوارِ الٰہی کی جلوہ ریزیوں سے منور ہو کر مشاہدۂ حق کی لازوال نعمتوں سے متمتع ہونے لگتے ہیں۔ قلب متوجہ الی الحق ہونے کے باعث تمام علائقِ دنیوی سے کٹ جاتا ہے خواہشاتِ نفسانی کا وجود باقی نہیں رہتا، لذات و شہوات ختم ہو جاتی ہیں، یادِ خداوندی کی حلاوت قلب میں اس قدر گھر کر لیتی ہے اور دل یادِ الٰہی میں اس قدر مصروف و مشغول ہو جاتا ہے کہ غیر کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت ہی اسے نصیب نہیں ہوتی رفتہ رفتہ یہی کیفیت اتنی ترقی کر جاتی ہے اور ذاکر کے رگ و ریشے میں اس درجہ سرایت کر جاتی ہے کہ وہ خود فراموش ہو کر فنا فی اللہ کے درجے تک جا پہنچتا ہے۔

اب اس حال میں اُس کا اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا زندگی کی ہر ہر حرکت اور موت خود بخود مرضیاتِ الٰہیہ کے مطابق ہوگی۔ مشاہدۂ جمالِ حقیقی اُس کا اوڑھنا بچھونا ہوگا، آنکھیں اپنی آنکھیں نہ رہیں گی، کان اپنے کان نہ رہیں گے، ہاتھ اپنے ہاتھ نہ رہیں گے، حتیٰ کہ وجود اپنا وجود نہ رہیگا بلکہ یہ سب اعضاء رضائے ایزدی کے ماتحت حرکت میں آئیں گے۔

حدیث قدسی میں فرمایا گیا ہے کہ میرا بندہ نفلی عبادات کی وجہ سے میرے اس قدر قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس کے کان بن جاتا ہوں، جن سے وہ سنتا ہے، اُس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اُس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ بعینہٖ یہی صورت ذکرِ الٰہی کی کثرت اور یادِ خداوندی میں محو رہنے سے بھی ہو جاتی ہے۔

حضرت خواجہ بہلول رحمۃ اللہ علیہ اولیائے کبار میں سے ہوئے ہیں۔ کسی شخص نے اُن سے عرض کیا:

"حضرت! کیا حال ہے؟" آپ نے فرمایا اُس نفس کا حال کیا پوچھتے ہو کہ جس کی مرضی سے کارخانۂ قدرت چل رہا ہے۔" بات سخت تھی اور سمجھ سے بالا۔ مریدین میں سے ایک نے جرأت کر کے سوال کیا "حضرت! یہ آپ نے کیا فرمایا!" کیا کارخانۂ قدرت کو آپ چلا رہے ہیں؟" معاذ اللہ یہ تو بارگاہِ خداوندی میں بڑی جسارت کی بات اور قدرتِ خداوندی کو چیلنج کے مرادف ہے"۔ حضرت خواجہ نے فرمایا "بھائی آپ نے میرا مطلب نہیں سمجھا۔ اور میری بات کو غلط معانی پہنائے ہیں۔ فقیر "رضائے مولا بر ہمہ اولےٰ" کا قائل ہے۔ ہماری مرضی دراصل کوئی مرضی ہی نہیں

ہم نے اپنی مرضی کو خدا کی رضا میں فنا کر رکھا ہے۔ چنانچہ اُس کی طرف سے جو کچھ صدور ہوتا ہے ہمارا قلب اُس سے انحراف نہیں کرتا اُس پر راضی ہوتا ہے اطمینان محسوس کرتا ہے اور خوشی سے پھولا نہیں سماتا۔ اور تمام کارخانۂ قدرت کا نظام چونکہ رضائے ایزدی کے ماتحت چل رہا ہے اور ہم اس کی رضا پر طبعاً راضی ہیں اس لیے کارخانۂ قدرت کا تمام نظام گویا ہماری مرضی و منشاء کے مطابق ہی چل رہا ہے۔ دکھ ہمارے لئے دُکھ نہیں اور نہ دُکھوں کو ہم دُکھ خیال کرتے ہیں۔ ہم ہر اس حال میں راضی ہیں جس میں ہمارا محبوب حقیقی خوش ہو۔ ہر چیز محبوب حقیقی کی دین ہے اور اُسی کی رضا میں فنا ہونا مقصدِ حقیقی ہے۔ ہر حالت جو پیش آتی ہے محبوب کا عطیہ اور تحفہ دکھائی دیتی ہے اور اسی لئے اس میں سکون و طمانیت کی دولت بے پایاں نصیب ہوتی ہے۔

ہر کہ از دوست می رسد نیکوست

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محترم حضرات!

ہم مسلمان اولیائے کرام رحمہم اللہ علیہم اجمعین کا دل سے احترام کرتے ہیں ان کی طرف منسوب ہونے کو فخر خیال کرتے ہیں اور ان کو کتاب و سنت کا عملی پیکر خیال کر کے اپنا مقتدا و پیشوا سمجھتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم سے ناآشنا ہونے کے باعث ہم اولیائے کرام کے مقصدِ حیات اور ان کی تعلیم کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے جس طرح حضراتِ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت اور پیغامِ حق کو عملی جامہ پہنانے کے لیے دنیا میں مبعوث ہوتے ہیں لوگوں کو مالکِ حقیقی کا وفادار اور جاں نثار بنانے کی سعی فرماتے ہیں۔ ماسوا اللہ سے توڑ کر مخلوق کو اللہ سے جوڑنے کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ ماسوا اللہ کی محبت دلوں سے ہٹا کر ایک اللہ تعالیٰ کی محبت کی لو لگا دیتے ہیں اور نتیجۃً انسانوں کو اللہ کی ذات محبوب، اس کی رضا مطلوب اور اس کا قرب مقصود ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے دنیا سے روپوش ہو جانے کے بعد اولیائے کرام مذکورۃ الصدر فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ وہ خود شریعت کے پابند ہوتے ہیں، دوسروں کو شریعت کا پابند بناتے ہیں۔ ان حضرات کی مبارک صحبتوں میں دلوں کی دنیا بدل جاتی ہے۔ قلوب اللہ کی یاد سے منور ہو جاتے ہیں اور اگرچہ مدارج میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے لیکن نتائج وہی برآمد ہوتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی صحبت میں پیدا ہوتے ہیں اور ان کی نوعیت بھی وہی رہتی ہے۔ یہ صحیح ہے اور ہمارا یہ ایمان ہے کہ رحمت دو عالم، سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مبارک صحبت میں صحابۂ اکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طبائع پر للّٰہیت، صلاحیت اور فدائیت کا جو رنگ چڑھتا تھا اس درجہ کا رنگ کسی ولی کی صحبت میں چڑھنا مشکل ہی نہیں قطعاً ناممکن ہے۔ لیکن آپ کے بعد اہل اللہ کی صحبت میں بھی جو رنگ پیدا ہوتا ہے وہ کبھی دوسرے دنیا دار کی صحبت میں چاہے وہ کتنا ہی عظیم المرتبت کیوں نہ ہو قطعاً میسر نہیں آ سکتا۔

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے اللہ والوں کی جوتیوں میں جو موتی ملتے ہیں وہ بادشاہوں کے تاجوں میں بھی نہیں ملتے، نہیں ملتے۔ بادشاہوں کے تاج سے حاصل کردہ موتی موت کے وارد ہوتے ہی ساتھ چھوڑ دیں گے اور یہ اسی دنیا میں رہ جائیں گے لیکن اللہ والوں کی جوتیوں سے ملے ہوئے موتی قبر میں بھی ساتھ جائیں گے۔ حشر میں بھی کام آئیں گے اور جنت میں بھی ساتھ ہی رہیں گے۔

برادرانِ محترم!

ہمارے بزرگوں کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت لقمان نبی نہیں تھے البتہ ولی ضرور تھے۔ قرآن عزیز میں ان کی تعلیم کا ذکرِ خیر ہے۔ اب اس سے آپ اندازہ فرمائیں کہ اولیائے کرام کیا تعلیم دیتے ہیں۔

حضرت لقمان کی تعلیم

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ (سورہ لقمان آیت ١٣)

ترجمہ: اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ بیٹا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ بیشک شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝

(سورۃ لقمان آیت ١٦ تا ١٩)

ترجمہ: بیٹا! اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر ہو پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو، یا وہ آسمان کے اندر ہو، یا وہ زمین کے اندر ہو تب بھی اللہ اس کو حاضر کر دے گا۔ بے شک اللہ بڑا باریک بین (اور) باخبر ہے۔ بیٹا! نماز پڑھا کر اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر۔ اور بُرے کاموں سے منع کیا کر اور تجھ پر جو مصیبت آئے اس پر صبر کیا کر بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہیں اور لوگوں سے اپنا رُخ نہ پھیر۔ اور زمین پر اترا کر نہ چل۔ بے شک اللہ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ اور اپنے چلنے میں میانہ روی اختیار کر۔ اور اپنی آواز کو پست کر۔ بے شک آوازوں میں سب سے بُری آواز گدھوں کی ہے

حاصل

(١) شرک سے نفرت ہر ذی شعور اور عقلمند کے لئے فرضِ عین ہے۔ فطرت انسانی شہادت دیتی ہے، انبیاء کی وحی سے ثابت ہے اور اولیاء اپنے قول و فعل سے اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ شرک سے بڑا گناہ اور ظلمِ عظیم اس کائنات میں کوئی نہیں۔

(٢) عقیدۂ مجازات پر ایمان ضروری ہے۔ کوئی چیز یا کوئی خصلت اچھی یا بُری اگر رائی کے دانے کے برابر چھوٹی ہو اور فرض کرو پتھر کی کسی سخت چٹان کے اندر یا آسمانوں کی (باقی صلا پر)

آخری قسط

حضرت فضیل بن عیاضؒ

حافظ مجیب اللہ ندوی

(۲)

ذکر الٰہی اور قرآن سے شغف

قرآن کے ساتھ ان کو عشق تھا، پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ ہارون جب اُن کے پاس گیا تو وہ قرآن کی ایک آیت دہرا رہے تھے۔ خادم خاص ابراہیم بن اشعث کہتے ہیں کہ فضیل کے دل میں خدا کی جس قدر عظمت تھی اتنی میں نے کسی کے دل میں نہیں دیکھی۔ ان کے سامنے جب خدا کا ذکر آ جاتا یا وہ قرآن کی کوئی آیت سن لیتے تھے تو:۔

ظہر بہ الخوف والحزن وفاضت عیناہ فبکی حتی یرحمہ من بحضرتہ

ان پر خوف وغم کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور اس طرح روتے تھے کہ دیکھنے والوں کو رحم آنے لگتا تھا۔

احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ ایک بار ہم لوگ فضیل بن عیاض کے پاس گئے اور ان سے اندر آنے کی اجازت چاہی، تو اجازت نہیں ملی، کسی نے کہا کہ وہ اگر قرآن کی آواز سن لیں تو نکل آئیں گے۔ ہمارے ساتھ ایک بلند آواز آدمی تھا۔ ہم نے اس سے کہا کہ قرآن کی کوئی آیت پڑھو اس نے بلند آواز سے سورہ تکاثر پڑھنی شروع کر دی وہ فوراً نکل آئے۔ اس وقت ان کا حال یہ تھا کہ ڈاڑھی آنسوؤں سے تر تھی وہ خود قرآن پڑھتے تو ان کی آواز نہایت غمگین اور پسندیدہ ہوتی اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی انسان کو مخاطب کر رہے ہیں۔

وفات

محرم ۱۸۷ھ میں ان کی وفات ہوئی عمر ۸۰ سال سے متجاوز تھی۔

اہل وعیال

ان کے اہل وعیال کے بارے میں زیادہ تفصیل نہیں ملتی، بعض واقعات سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ شادی ہوئی تھی اور ایک اولاد بھی تھی، جن کا نام علی تھا۔ یہ عادات و خصائل میں ان کے مثنی تھے، مگر عین عالم شباب میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ابن خلکان کا بیان ہے:۔

کان ولدہ شابا سریا من کبار الصالحین وھو معدود فی جملة من قتل محبة الباری سبحانہ

ان کے یہ صاحبزادے موت کے وقت جوان، ممتاز اور کبار صالحین میں تھے۔ ان کا شمار ان لوگوں کے زمرہ میں ہوتا ہے جن کی موت کا سبب خدا کی محبت ہوئی ہے۔

لیکن صبر و شکر کا عالم یہ تھا کہ نوجوان صالح اولاد کے انتقال پر بھی وہ بے قابو نہیں ہوئے۔ بلکہ ایک غم آمیز تبسم سے فرمایا، خدا نے جو پسند کیا میں بھی اس پر راضی ہوں (ابن خلکان ص ۱۵۸)

زریں اقوال

اوپر کی تفصیل سے زہد و اتقا سے بھرپور زندگی کا ایک خاکہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے مگر ان کے سوانح حیات کے پورے خدوخال دیکھنے کے لئے ان کے ان گرانمایہ اقوال پر بھی ایک نظر ڈال لینا ضروری ہے جو ان کی پرحکمت زبان سے گاہ بگاہ صادر ہوتے رہے ہیں۔

فرماتے تھے کہ ہماری صحبت میں اس نے کچھ نہیں پایا جس نے نماز اور روزہ کی کثرت سیکھی بلکہ اس کے لئے طبیعت کی سخاوت، قلب کی سلامت اور امت کی خیر خواہی کی ضرورت ہے۔

جس نے انسانوں کو پہچان لیا وہ راحت پا گیا (مقصد یہ ہے کہ یہ حقیقت جس نے پالی کہ کوئی انسان کچھ بنا بگاڑ نہیں سکتا تو پھر ان سے بالکل بے پرواہ ہو جائے گا اور اپنی ساری توجہ خدا کی طرف مبذول کر دے گا)۔

فرماتے تھے کہ جب کبھی خدا کی کوئی نافرمانی کر بیٹھتا ہوں تو میں اپنے گدھے اپنے خادم اور اپنی بیوی میں اس کا اثر محسوس کرتا ہوں، یعنی یہ سب میرے نافرمان ہو جاتے ہیں۔

جب خدا تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کو رنج وغم زیادہ دیتا ہے اور جب کسی سے ناخوش ہوتا ہے تو اس پر دنیا کو وسیع کر دیتا ہے۔

فرماتے تھے کہ اگر دنیا اپنی ساری آسائشوں اور زینتوں کے ساتھ مجھے دی جائے اور اس کے استعمال میں محاسبہ کا بھی کوئی خوف نہ ہو، جب بھی میں اس سے اسی طرح بچوں گا جس طرح تم لوگ مردار کھانے سے بچتے ہو۔

فرماتے تھے کہ اگر مجھے مقبولیت دعا کی سعادت ملتی تو میں صرف امام وقت کے لئے دعا کرتا، کیونکہ امام وقت کی صلاح پر رعیت کی صلاح کا مدار ہے۔ جب یہ صالح ہو جائے گا تو ملک اور اہل ملک دونوں امن و سلامتی پا جائیں گے۔

اپنے ہم نشینوں سے ملاطفت اور حسن خلق کا برتاؤ کرنا، رات بھر نفل نماز پڑھنا اور دن بھر نفلی روزہ رکھنے سے زیادہ ثواب کا کام ہے۔ ایک بار ہارون رشید نے ان سے کہا کہ آپ کے زہد کا کیا کہنا جواب میں فرمایا آپ تو مجھ سے بھی بڑے زاہد ہیں، کیونکہ میں نے تو دنیا سے بے رغبتی اختیار کی ہے اور یہ ایک مچھر کے پر سے بھی کم درجہ کی چیز ہے، لیکن آپ نے اس آخرت سے بے نیازی اختیار کی ہے جس میں دنیا کی کوئی قیمت نہ ہوگی تو میں فانی کا زاہد ہوں اور آپ باقی کے زاہد ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ بات آپ نے سلیمان بن عبدالملک سے کہی تھی۔

فرمایا کہ دوسروں کے دکھلاوے کے لئے کوئی عمل کرنا شرک ہے اور دوسروں کی وجہ سے کوئی عمل چھوڑ دینا ریا ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں سے محفوظ رکھے۔

فرماتے تھے کہ جب تم رات کو اٹھ کر نفل پڑھتے اور دن کو روزہ رکھتے پر قادر نہ ہو تو سمجھ لو کہ محروم ہو اور تم کو تمہارے گناہوں نے گھیر لیا ہے۔ محمد بن حسان کہتے ہیں کہ ایک بار میں فضیل کی خدمت میں گیا وہاں امام ابن عیینہ بھی موجود تھے۔ وہ امام سے مخاطب ہو کر کہہ رہے تھے کہ آپ لوگ یعنی علمائے دین زمین کا چراغ تھے، جن سے روشنی لی جا سکتی تھی

مگر آپ لوگ ظلمت کا سبب بن گئے ہیں۔ آپ لوگ ستاروں کے مانند تھے. جن سے گم کردہ راہ، راستہ پا سکتے تھے، مگر آپ سراپا حیرت بن گئے ہیں آپ میں کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے جو ان ظالم حکمرانوں کا مال لینے اور پھر مسند درس پر بیٹھ کر حدثنا فلاں عن فلاں کہنے سے شرمائے.

فرماتے تھے کوئی صاحب فضل وکمال اسی وقت صاحب فضل وکمال ہے جب تک وہ خود اپنے کو صاحب فضل وکمال نہ سمجھے.

فرماتے تھے. اخیر زمانہ میں قوموں اور قبیلوں کے سردار منافق قسم کے لوگ ہو جائیں تو اس وقت ان سے بچنے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ یہ ایسا مرض ہے کہ ان کی کوئی دوا نہیں ہے. لوگوں سے دور بھاگو مگر جماعت ترک نہ ہونے پائے. یہ زمانہ خوشی کا نہیں بلکہ رنج وغم کا ہے

فرماتے تھے کہ ہر چیز کا ایک دیباچہ ہوتا ہے، علماء کا دیباچہ یہ ہے کہ سب سے پہلے غیبت ترک کر دیں.

فرماتے تھے کہ حامل قرآن کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ اپنی کوئی ضرورت امراء و اہل دولت کے پاس لے جائے بلکہ اس کا منصب یہ ہے کہ خلق خدا اپنی حاجتیں اس کے پاس لے جائیں.

دوستی کے بارے میں قیمتی ہدایت

فرماتے تھے. رحمان کے بندے وہ لوگ ہیں جن میں خشوع اور تواضع ہوتی ہے اور دنیا کے بندے وہ ہیں جن میں تکبر اور خود پسندی ہوتی ہے اور وہ عام لوگوں کو ذلیل سمجھتے ہیں، فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص بے عیب دوست تلاش کرتا ہے، وہ بغیر دوست ہی رہے گا ایسے شخص سے دوستی نہ کرو کہ جب تم سے خفا ہو تو تمہارے اوپر بہتان تراشے، وہ تمہارا دوست نہیں ہے، جس نے تم سے کوئی چیز مانگی اور تم نے نہیں دی تو وہ غضبناک ہو گیا، اب آپس میں وہ اخوت و ہمدردی نہیں رہی کہ ایک بھائی ایک بھائی ایک دوست اپنے بھائی یا دوست کے مرجانے کے بعد اس کی اولاد کو اپنی نگرانی میں لے لیتا تھا. اور بالغ ہونے تک اپنے بچوں کی طرح ان کی پرورش کرتا تھا.

علم و زہد کے بارے میں جامع ہدایت

جو شخص قرآن پڑھتا ہے، اس سے اس طرح سوال کیا جائے گا جس طرح انبیاء سے تبلیغ و رسالت کے بارے میں سوال ہو گا، کیونکہ قرآن پڑھنے والا انبیاء کا [illegible]ث ہے.

آخرت پسند عالم کا علم پوشیدہ رہتا ہے اور دنیا پسند عالم کے علم کی نشر و اشاعت ہوتی ہے. عالم آخرت کی پیروی کرو اور عالم دنیا کی صحبت سے بچو، کیونکہ یہ اپنی فریب خوردگی اور دنیاوی زیب و زینت کے پھندے میں تمہیں ڈال دے گا. اس کی دعوت بغیر حق کے ہوتی ہے اور اس کے عمل میں کوئی صداقت نہیں ہوتی زہد کی ایک علامت یہ ہے کہ جب امراء اور اس کے ہم نشینوں کے یہاں ان کے جہل کا ذکر کیا جائے تو وہ خوش ہوں.

اکل حلال

جو شخص یہ جان لے کہ اس کے پیٹ میں کیا جا رہا ہے وہ خدا کے ہاں صدیق شمار کیا جائے گا تو چاہیئے کہ تم یہ دیکھو کہ تمہارا رزق کہاں سے اور کس ذریعہ سے آ رہا ہے.

[1] دوسرا پتہ: قاری محمد اسماعیل صاحب مدرسہ عذار القرآن اندرون مسجد جامن والی آبکاری روڈ انار کلی لاہور

مثالی اقدام

محترم شیخ محمد شریف صاحب پروپرائٹر ستارہ کشو کمپنی بیڈن روڈ لاہور ڈلہوزی کے مہاجر اور مشہور قومی کارکن ہیں۔ آپ کا اندازِ فکر اگرچہ حالات و واقعات نے پہلے سے کسی قدر مختلف کر دیا ہے لیکن آپ کا دل یقیناً ابھی تک مردِ مومن کا دل ہے۔

آپ نے اپنا سارا کلیم جو ۱۶۰۰۰ روپے کی مالیت کا ہے ہومیوپیتھک فری ہسپتال محمد نگر لاہور کو عطیہ کے طور پہ دے کر مثالی اقدام کا مظاہرہ کیا ہے اس سرمایہ سے تعمیر ہونے والے جنت بی بی وارڈ کا سنگ بنیاد بھی حضرت شیخ التفسیر قدس اللہ سرہٗ کے مبارک ہاتھوں سے رکھوایا گیا تھا۔

اب آپ اپنے ہاں کی اشیاء یعنی مختلف قسم کے جوتوں کو مقابلۃً ارزاں قیمتوں پر فروخت کرکے معاشرتی خرابیوں اور عوامی مشکلات کے حل کے لیے کسی تحریک کا آغاز کرنا چاہتے ہیں

ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا ان کے نیک عزائم و مقاصد کو بروئے کار لانے میں ان کی دستگیری فرمائے۔ اور ملک میں بسنے والے اربابِ دولت و ثروت کو توفیق دے کہ وہ بھی اپنے اپنے دائرہ میں انسانیت کے لامحدود دکھوں، عوام کی بیچارگیوں، غربا و مساکین کی آہوں، آنسوؤں اور درد و کرب میں ڈوبی ہوئی چیخوں کا مداوا کر سکیں۔ ہماری آرزو ہے کہ اربابِ دولت و ثروت دینی کاموں، تبلیغی سرگرمیوں اور اسلام کے مشنری مقاصد کی تکمیل کے لئے بھی اسی طرح میدانِ عمل میں آئیں اور اسلام کا پیغامِ امن و ہدایت چار دانگِ عالم میں پہنچانے کا باعث بنیں۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

(م - ح - ن)

افضل الذکر "لا الٰہ الا اللہ"

محمود احمد عارف ہوشیارپوری خازن جامعہ مدنیہ لاہور

شکستہ دل کی صدا لا الٰہ الا اللہ ۔۔۔ کلیدِ صدق و صفا لا الٰہ الا اللہ

یہی تو کلمہ ہے تخلیقِ کائنات کی اصل ۔۔۔ ہر اک نبیؑ نے کہا لا الٰہ الا اللہ

قیام ہو کہ قعود و رکوع ہو کہ سجود ۔۔۔ ہے پیشِ اہلِ وفا لا الٰہ الا اللہ

مٹا کے ہستی کو اپنی یہ راز کھلتا ہے ۔۔۔ سبق ہے کتنا بڑا لا الٰہ الا اللہ

اسی کے وِرد سے بجھتی ہے آتشِ دوزخ ۔۔۔ ہو ذکر صبح و شام لا الٰہ الا اللہ

ہر ایک غم کا مداوا ہر ایک دکھ کا علاج ۔۔۔ ہے روح و دل کی غذا لا الٰہ الا اللہ

نزولِ رحمتِ پروردگار ہوتا ہے ۔۔۔ زباں سے جب ہوا ادا لا الٰہ الا اللہ

چراغِ اہلِ یقین ہے یہ اصلِ دینِ مبین ۔۔۔ سراجِ رشد و ہدیٰ لا الٰہ الا اللہ

خلیل کیلئے آتش بھی بن گئی گلزار ۔۔۔ بفیضِ جرمِ وفا لا الٰہ الا اللہ

نبی پاکؐ نے جس کو کہا ہے افضلِ ذکر

وہ ذکر سب سے بڑا لا الٰہ الا اللہ

حقیقتِ اسلام اور اہلِ فرنگ

ملخص از تقریر حضرت علامہ سید محمد رشید رضا ایڈیٹر "المنار" مصر
از کتاب وحی محمدی — ترجمہ: عبدالرزاق ملیح آبادی
مرسلہ: ایم۔ عبدالرحمٰن لودھیانوی

دین اسلام کی حقیقت سے یورپین لوگ اس لئے دور ہو گئے ہیں کہ اُن کی آنکھوں پر تین پردے پڑ گئے ہیں اور اُن پردوں کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے:۔

پہلا پردہ کلیسا ہے جس نے اسلام کی دعوت سننے کے بعد ہی سے اس کی عداوت پر کمر باندھ لی۔ کلیسا نے اسلام کی نہایت ہی بھیانک تصویریں کھینچ کر پیش کی ہیں اس مقصد کے لئے نہایت وسیع پروپیگنڈہ کیا ہے جس کی بنیاد ایسے گھناؤنے جھوٹ، افترا اور بہتان پر ہے۔ کہ اس کی نظیر کسی اور دین کے پیرؤوں میں کبھی نہیں دیکھی گئی۔ اس غرض کے لئے کتابیں تصنیف کی گئیں۔ رسائل لکھے گئے۔ نظمیں تیار کی گئیں، گانے بنائے گئے اور اُن میں ایسی ایسی بیہودہ باتیں لکھی گئیں کہ ہر باخبر مؤرخ اُن کے جھوٹ سے واقف ہے اسی قدر نہیں بلکہ کلیسا نے اسلام کو بدنام کرنا اور اس سے دشمنی کرنا ان تمام تعلیم گاہوں کی تعلیم و تربیت کا ایک بنیادی اصول قرار دیا جو پادریوں کے زیر انتظام ہیں چنانچہ ان مدارس میں ہر تعلیم حاصل کرنے والے کا یقین یہی ہے کہ تمام مسلمان مسیح کے اور جملہ عیسائیوں کے دشمن ہیں لہٰذا اُن سے زیادہ سے عداوت رکھنی ضروری ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اسلام مسیحیت کا دوست اور اس کی ہدایت کو مکمل کرنے والا ہے اور یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ فارقلیط یعنی روح حق ہیں جس کی مسیح نے بشارت دی تھی۔

دوسرا پردہ یوروپین مدبرین، جنہوں نے اسلام کی عداوت کلیسا سے ورثہ میں پائی ہے اور اسلام پر کلیسا کے الزاموں کو آنکھ بند کرکے قبول کر لیا ہے ان مدبروں کو اسلام سے اس سبب سے اور زیادہ دشمنی ہو گئی اور وہ اس کی بیخ کنی پر تل گئے کہ مسلم قوموں کو غلام بنانا اور اسلامی ملکوں کو لوٹنا چاہتے ہیں۔

اگر خود مسیحی دین کے پیشواؤں کا یہ حال ہے کہ اسلام کے خلاف، کذب و افترا سے دنیا کو لبریز کر چکے ہیں حالانکہ ہر دین کی بنیاد سچائی، حق، محبت، رحم، انصاف اور ایثار پر ہوتی ہے تو سیاسی لوگوں سے کونسی چیز بعید سمجھی جا سکتی ہے جبکہ سیاست کی بنیاد ہی جھوٹ پر ہے اور ظلم اور زیادتی، سنگدلی، خود غرضی، دھوکہ اس کے سب سے بڑے ستون ہیں، یہی وہ چیزیں ہیں جنہیں ہم یوروپین مقبوضات میں اپنی آنکھوں سے روز دیکھتے اور کانوں سے سنتے ہیں بلکہ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ اسلام پر پادریوں نے جس قدر بہتان باندھے ہیں وہ بھی سیاست ہی نے پیدا کئے ہیں نہ کہ دین نے، ان لوگوں کا مشہور اصول ہے "مقصد وسیلہ کو جائز کر دیتا ہے"۔ اور یہ اصول سیاسی ہے نہ کہ انجیلی، کیونکہ کسی دین کی بھی یہ شان نہیں ہو سکتی کہ اپنے پیرؤوں کے فائدے کے لئے جرم اور بد اخلاقی کی اجازت دے۔

تیسرا پردہ اس آخری زمانہ میں مسلمانوں کی زبوں حالی ہے مسلمان قومیں اور حکومتیں بگڑ گئیں، دین کی حقیقت کے ساتھ دنیاوی مصلحتوں سے بھی جہل عام ہو گیا یہاں تک کہ مسلمان اپنے دشمنوں کے لئے حجت بن گئے جو ان کی حالت پیش کرکے کہتے ہیں کہ اسلام کی نہ دنیا ہی بھلی ہے نہ دین ہی بھلا ہے اسی واہی حجت کے ذریعہ دشمنوں نے ان تمام لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا ہے جو ان کے سیاسی اور تبلیغی مدرسوں میں تعلیم حاصل کر چکے ہیں بلکہ خود بہت سے نوجوان مسلمانوں کو بھی یہی یقین دلا دیا ہے کہ اس نسل میں سے وہ لوگ منتخب کئے جاتے ہیں جو یوروپین حکومتوں کے عمال بنتے اور ان کی درسگاہوں میں تعلیم دیتے ہیں۔ یہ درسگاہیں یوروپین مقبوضات کے علاوہ اُن ملکوں میں بھی موجود ہیں جہاں دول یورپ کا سیاسی اثر ہے چنانچہ انہی لوگوں کے ہاتھوں ہر اسلامی چیز کو عام

اس سے عقیدہ ہو یا اخلاق یا قانون، تباہ کرنے کا کام یہ سلطنتیں ٹرکی اور ایران میں بھی لے چکی ہیں۔

اسلام کے حکیم اور مشرق کے بیدار کرنے والے سید جمال الدین افغانی کا خیال تھا کہ یہ آخری پردہ سب سے زیادہ بھاری پردہ ہے جو اسلام کو یوروپین قوموں سے چھپائے ہوئے ہے۔ موصوف کا یہ قول مجھ سے ایک معتبر راوی نے نقل کیا ہے کہ اگر ہم یورپ کو اپنے دین کی طرف دعوت دینا چاہتے ہیں تو ہمارا کام یہ ہونا چاہیئے کہ یورپ کو یقین دلا دیں کہ خود ہم مسلمان نہیں ہیں۔ یورپ والے قرآن کے اندر سے ہمیں یوں دیکھتے ہیں۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنی ہتھیلیاں مُنہ کے سامنے کیں اور انگلیوں کے شگافوں سے دیکھ کر فرمایا۔ وہ اس طرح قرآن کے اندر سے ہمیں دیکھتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ قرآن کے پیچھے ایسی قومیں موجود ہیں جن میں جہل، نااتفاقی اور سستی پھیلی ہوئی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ اگر واقعی یہ کتاب اصلاح کی کتاب ہوتی تو اس کے ماننے والے اس قدر ابتر اور پراگندہ نہ ہوتے"۔

ہم مانتے ہیں کہ بعض آزاد خیال یوروپین لوگوں نے اسلامی تاریخ سے اتنی واقفیت بہم پہنچائی ہے جو اکثر مسلمانوں کو نصیب نہیں ہے اور انھوں نے جو تاریخی یا علمی دینی کتابیں لکھی ہیں ان میں اسلام سے انصاف بھی کیا ہے اور یہ کہ اُن میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے بصیرت اور روشنی کے ساتھ ہدایت حاصل کی ہے لیکن ان تمام لوگوں نے جو کچھ لکھا ہے اس سے بھی پوری حقیقت ظاہر نہیں ہوئی ہے۔ اور ان کی قوم کے تھوڑے ہی افراد نے اُن کی تصانیف دیکھی ہیں۔ ان کتابوں کا اُن کے دیکھنے والوں پر زیادہ سے زیادہ یہ اثر ہوا ہے کہ انھوں نے سمجھ لیا بعض لوگوں نے اسلامی تاریخ لکھنے میں غلطی کی ہے جن پر ان کتابوں میں نکتہ چینی کر دی گئی ہے۔ اصلی غرض ان کتابوں سے پوری نہیں ہوئی۔ ان سے وہ تینوں پردے اٹھ نہیں سکے جو حقیقتِ اسلام کو یورپ سے چھپائے ہوئے ہیں

رہا یہ سوال کہ یورپ والوں نے کماحقہٗ قرآن کیوں نہیں سمجھا۔ ایسا سمجھنا کہ اس کے اعجاز کی اور اس کے قانون کی حقیقت سے واقف ہو جاتے اور رہاں لیتے

کہ یہی اللہ کا آخری کامل دین ہے جس کے بعد نہ کسی دوسری کتاب کی انسان کو ضرورت باقی رہتی ہے نہ کسی نئے نبی کی۔ تو اس کے بھی متعدد اسباب ہیں:۔

قرآن نہ سمجھنے کے اسباب

(۱) عربی زبان کی بلاغت سے جہل قرآن کی اُس بلاغت سے جہل جس کا پیرایۂ ترتیب، مومنوں اور کافروں پر جس کی تاثیر حد اعجاز تک پہنچ گئی ہے۔ قرآن نے اپنی اسی معجزانہ بلاغت سے عرب میں ذہنی و فکری انقلاب طاری کر دیا تھا اور تمام انسانوں میں عام تبدیلی پیدا کر دی تھی جیساکہ اپنی اس کتاب میں ہم نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ قرآن کی یہ بلاغت اتنی بلند ہے کہ علمائے اسلام نے قرآن کے معجزوں میں سے اسی معجزہ کو لے کر تمام انسانوں کو چیلنج دے دیا ہے اور چونکہ عرب اس بلاغت کے مقابلہ سے عاجز آ گئے تھے۔ نیز وہ لوگ بھی جو عرب نہ تھے لیکن عربی زبان ملکہ اور اُس کی نحو و بیان کے بخوبی ماہر تھے جب یہ سب لوگ قرآن کے سامنے بے بس ہو گئے تو علماء نے اس چیز کو محمدؐ کی سب سے بڑی حجت قرار دیا لیکن اب جبکہ بہت سی صدیوں سے چند متفرق افراد کے سوا خود عرب بھی اپنی زبان کے ملکہ سے محروم ہو گئے ہیں تو غیر عرب کس شمار میں ہیں؟ اس زمانہ میں بھی مسلمانوں کے علماء قرآن کے اعجاز سے حجت لاتے ہیں مگر یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ خود بھی اس اعجاز کے راز سے واقف یا اُس کے لطف سے آشنا ہیں بلکہ اسی وجہ سے بعض قدیم علماء نے کہہ دیا ہے کہ قرآن کا معجز ہونا کسی معقول سبب سے نہیں ہے بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ خدا نے اپنی قدرت سے لوگوں کو اس کے مقابلہ سے روک دیا ہے حالانکہ صحیح یہ ہے کہ مخالفوں نے اس کا مقابلہ کرنا چاہا مگر ناکام رہے وہ سمجھے کہ قرآن کا سارا اعجاز بس آیات کے آخری ٹکڑوں میں ہے جو مسجع معلوم ہوتے ہیں چنانچہ انہوں نے اسی چیز کی تقلید کی اور بُری طرح رُسوا ہوئے ان میں سے بعض متاخرین نے نبوت کا بھی دعویٰ کیا مثلاً "بہا" جس کے پیروؤں نے اُس کی کتاب الاقدس چھپا دی ہے "تاکہ رسوا نہ ہو جائیں۔

(۲) قرآن کے جن ترجموں پر علمائے فرنگ کے فہم قرآن کا دارومدار ہے وہ تمام کے تمام اُن معانی کے ادا کرنے سے قاصر ہیں جو قرآن کی اعلیٰ عبارت اور اُس کے معجز اسلوب سے ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ ترجمے وہی معانی پیش کرتے ہیں جو مترجموں کی سمجھ میں آتے ہیں اور مترجموں کی سمجھ بہت ہی کم درست اور کامل ہوتی ہے۔ خصوصاً ایسے مترجموں کی جو اس پر ایمان نہیں رکھتے۔ ہر مترجم دو کوتاہیوں کا ضرور شکار ہوتا ہے۔ اپنی سمجھ کی کوتاہی کا اور اپنی زبان کی کوتاہی کا۔ اس بات کا اعتراف مجھ سے مسٹر (محمدؐ) مارما ڈیوک پکھتال نے کیا جو قرآن کا انگریزی میں ترجمہ کر چکے ہیں اور تین سال ہوئے کہ مصر میں آئے تھے تاکہ انگریزی داں عرب علماء سے اُن اہمیتوں کے بارے میں مشورہ کریں جن کے ترجمہ سے وہ اپنے آپ کو بے بس سمجھتے تھے چنانچہ ان علماء کی مدد سے انہوں نے اپنے ترجمہ کی تصحیح کر لی۔

اسی چیز کا اقرار فرانسیسی مستشرق ڈاکٹر ماردریس نے بھی کیا ہے جنہیں فرانس کی وزارت خارجیہ اور وزارت تعلیم نے اُن باسٹھ لمبی سُورتوں کے ترجمہ پر مامور کیا تھا جن میں مطالب کی تکرار نہیں ہے۔ (موصوف نے اپنے ترجمہ پر مامور کیا تھا جن میں مطالب کی تکرار نہیں ہے) موصوف نے اپنے ترجمہ ۱۹۲۶ء کے دیباچہ میں لکھا ہے۔

قرآن کا پیرایۂ بیان خود اللہ خالق جلّ و عُلا کا پیرایۂ بیان ہے وہ پیرایہ جو اپنے پیدا کرنے والے کے وجود کی حقیقت کا حامل ہے ضرور خُدائی پیرایہ ہی ہو سکتا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ سب سے زیادہ شک رکھنے والے اہلِ قلم بھی اس پیرایہ کی ساحرانہ قوت کے آگے جھک جانے پر مجبور ہو چکے ہیں اس قرآن کا اثر روئے زمین پر پھیلے ہوئے ۶۰ کروڑ مسلمانوں پر اتنا زبردست ہے کہ اجنبی پادریوں کو مان لینا پڑا ہے کہ اب تک کوئی ایک یقینی واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا جس میں کوئی مسلمان اپنے دین سے مُرتد ہو گیا ہو۔

شروع شروع میں بدویوں کے کانوں میں پڑنے والا یہ پیرایہ حد درجہ عجیب و لطیف نثر تھا نہایت عمدہ ترتیب و ہم آہنگی کے ساتھ رعنائی رکھتا تھا، باہم یکسانیت کے ساتھ مسجع تھا اور ہر عربی دان پر اُس کی تاثیر بہت ہی گہری ہوتی تھی اور ہوتی ہے لہٰذا بالکل بیکار کوشش ہے کہ آدمی اس حد درجہ بلند نثر کی تاثیر کسی دوسری زبان میں منتقل کرنے کی کوشش کرے خصوصاً تنگ و سخت اور سنگدل فرانسیسی زبان میں۔ مزید براں فرنچ اور اس زمانہ کی دوسری زبانیں دینی زبانیں نہیں ہیں ان میں کبھی الوہیت کے مسئلے بیان کئے گئے۔

(۳) قرآن کا یہ عجیب اور تمام اسلوبوں سے مخالف، اسلوب، اور عقائد، مواعظ، احکام اور آداب ان سب کو مختلف سورتوں میں بکھری ہوئی آیتوں کے اندر مندرج (ملا دینے) کا قرآنی طریقہ، جس کا سبب اور جس کی مصلحت ہم نے اس کتاب میں بیان کی ہے۔ اسی چیز نے بڑے بڑے عالموں اور مفسروں کو قرآنی علوم و مقاصد کی ابواب کے ماتحت تدوین سے باز رکھا ان لوگوں نے عبادات و معاملات سے متعلق عملی احکام کی تبویب تو کر دی مگر قرآن کے اجتماعی، سیاسی، مالی، اصولی و قواعد مرتب نہ کئے۔

بعض علمائے فرنگ نے فرانسیسی زبان میں ایک کتاب لکھی ہے اُس میں قرآنی آیات معانی کے لحاظ سے جمع کی ہیں اور انہیں اپنی سمجھ کے مطابق ابواب کے ماتحت کر دیا ہے۔ لیکن اس کتاب کے مصنف نے بھی بہت جلد معانی کے سمجھنے میں غلطی کی ہے یا کوتاہی کا شکار ہو گیا ہے۔ آیات قرآنی سے عام اصول و قواعد کے استخراج کے لئے ضروری ہے کہ نبیؐ کی سیرت قرآن کے بیان میں آپ کی سنت، قرآن کی شریعت میں آپ کی تنفیذ، نیز آپ کے خلفا اور علمائے صحابہ کے آغاز کا علم حاصل ہو۔

(۴) اسلام کی کوئی ایسی سلطنت باقی نہ رہی جو قرآن کو اور رسول اللہؐ کی سنّت کو حکومت کے ذریعہ قائم کرے اور علم کے ذریعہ اُس کی اشاعت کرے۔ ایسی ذہنی انجمنیں بھی موجود نہیں ہیں جو اس کی دعوت دیں۔ مسلمانوں کا کوئی علمی دینی ادارہ بھی نہیں ہے جس سے قرآن کے مطالب و ہدایات سمجھنے میں رجوع کیا جا سکے جو روزمرہ کے بدلنے والے واقعات اور علم و فنون کی نت نئی ایجادوں سے پیدا ہونے والی انسانی مشکلوں میں قرآنی سیاست بتا سکے اور جس سے

علمائے فرنگ معلومات حاصل کرسکیں۔

اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب بات یہ ہے کہ خود مسلمانوں نے بھی خیر القرون کے بعد اپنا دین قرآن سے اور رسول اللہ کی سنت سے اخذ کرنا چھوڑ دیا ہے حالانکہ خدا نے انہیں اسی بات کا حکم دیا تھا:۔ وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۰ پ۱۴ ع ۱۳

(ترجمہ: اے پیغمبر! ہم نے آپ پر یہ یاد دلانے والی چیز (قرآن) اس لئے اتاری ہے کہ آپ لوگوں کو وہ سب کھول کر بتلا دیں جو اُن کی طرف خدا نے اتارا ہے تاکہ وہ غور کریں۔

مسلمان قرآن و سنت سے برابر دور ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ ہدایت کے اُن سرچشموں سے بالکل مستغنی ہو گئے اپنے عقائد متکلمین کی کتابوں سے اور اپنی عبادات و معاملات کے احکام غیر مجتہد علماء (اذاہب) سے لینے لگے حالانکہ ان کتابوں سے اللہ تعالیٰ کی انسانوں پر حجت قائم نہیں ہوتی خصوصاً اس زمانہ کے لوگوں پر جس میں تمام عقلی و قانونی علوم نے بڑی ترقی کرلی ہے۔ حتیٰ کہ خود ہم مسلمانوں نے بھی غیروں سے وہ چیزیں لینا شروع کر دی ہیں جو وہ پہلے ہم سے لیا کرتے تھے۔

قرآن اور اس کی ہدایت کے فہم میں جب خود مسلمانوں کا یہ حال ہے تو اُن قوموں کا کیا حال ہوگا جنہوں نے دوسرے مذہبوں میں پرورش پائی ہے اور جن کے پیشوا انہیں اپنی ہی روش پر استوار رکھنا اور دوسری راہوں سے باز رکھنا چاہتے ہیں اور جن کے پہلو بہ پہلو زبردست جنگی سلطنتیں موجود ہیں، جو صدیوں سے اسلام کی دشمنی میں سرگرم ہیں اور جنہوں نے اسلام کے برخلاف ایسی کوششیں کی ہیں کہ اگر پہاڑوں کے خلاف کی جاتیں۔ تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو کر ناپید ہو جاتے لیکن یہ اسلام حی وقیوم کا دین ہے اور اُس وقت تک زندہ رہنے والا ہے جب تک زمین پر انسان زندہ ہیں یہ دین کبھی نہیں مٹے گا اگرچہ خود زمین مٹ جائے۔

یہ ہیں وہ اسباب جن کی وجہ سے موجودہ زمانہ کی تہذیب کے عالموں بلکہ خود بہت مسلمانوں سے بھی اسلام کی حقیقت پوشیدہ ہو گئی ہے اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ آرزو کر رہے ہیں کاش کوئی نیا نبی آئے اور اپنے ساتھ ایسی خدائی ہدایت لائے جو عالمگیر ہو اور سب کی اصلاح و درستگی کر دے۔

چونکہ اسلام ہی انسانیت کا عالمگیر اور دائمی دین ہے اور اپنے اندر وہ سب باتیں رکھتا ہے جن کی تمام قوموں کو اپنی دینی اور دنیاوی ہدایت کے لئے ضرورت ہے اس لئے تمام آزاد خیال عقلمندوں، فکری استقلال رکھنے والوں اور موجودہ مادی مفاسد سے رنجیدہ ہونے والے عالموں کا فرض ہے کہ ان پردوں کو اٹھا دینے کی کوشش کریں جو اُن سے اسلام کو چھپائے ہوتے ہیں اور وہ تمام رُکاوٹیں دور کر دیں جو انہیں اس کی حقیقت سمجھنے سے روک رہے ہیں۔

الغرض قرآن اللہ عزّوجلّ ہی کا کلام ہے اور اس میں وہ تمام چیزیں جمع ہیں جن کی انسان کو اپنی دینی، اجتماعی، سیاسی، مالی، جنگی اصلاحوں کے لئے ضرورت ہے۔ اس کتاب سے تمام دنیا پر حجت قائم ہو جاتی ہے۔

وما علینا الا البلاغ۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رح کے

ارشادات

جناب غلام محمد صاحب چک نمبر ۱ نوشہرہ ضلع شیخوپورہ

خطبہ مسنونہ کے بعد حضرتِ عالیؒ نے ارشاد فرمایا تھا کہ حق تعالے نے مسلمانوں کی ابتدائی حالت اور پھر عروج و ترقی کا نقشہ اس آیت کریمہ میں کھینچا ہے۔ وَاذْكُرُوٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ یَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَ اَیَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

(سورہ الانفال)

اور یاد کرو جس وقت تم قلیل تھے۔ مغلوب پڑے ملک میں ڈرتے تھے کہ اچک لیں تم کو لوگ پھر اس نے تم کو ٹھکانا دیا اور قوت دی تم کو اپنی مدد سے اور روزی دی تم کو ستھری چیزیں تاکہ تم شکر کرو۔

یعنی ابتدا میں حالت یہ تھی کہ گنتی میں چند دولت یا اقتدار سے تہی دست۔ حد درجہ کمزور یہ کمزوری یہاں تک تھی کہ خوف رہتا کہ دشمن تم کو اس طرح اچک لے گا، جیسا باز چڑیا کو اچک لیتا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان دیکھو۔ سب سے پہلے یہ کہ تم کو ایک ٹھکانا اور پاؤں ٹیکنے کی جگہ دے دی۔ یعنی مدینہ طیبہ میں قیام کی سہولتیں عطا فرمائیں، اس کو پناہ گاہ بنایا۔ پھر بدر وغیرہ کے موقع پر تمہاری امداد فرمائی۔ اپنی نصرت اور غیبی کمک کے ذریعہ یہ دوسرا انعام ہوا۔ اور تیسرا احسان یہ کہ عمدہ عمدہ چیزوں کا رزق عطا فرمایا۔ زرخیز علاقے تم کو عطا کئے۔ جس سے غذائی مشکلات حل ہو گئیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے تین احسانات ہیں، جن سے اس مٹھی بھر جماعت کو استقلال نصیب ہوا۔ اس کے بعد دوسری آیت میں مزید احسانات کا وعدہ ہے، یعنی یہ وعدہ ہے کہ ایسا اقتدار ہوگا، جس سے پوری دنیا میں تمہاری دھاک بیٹھ جائے اور دنیا عزت و احترام کرتے ہوئے پیغامِ حق کے سننے پر مجبور ہو۔ ارشاد ہے:۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا

(سورہ نور ع ۷)

اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ اس سے جو ایمان لائے تم میں سے اور عمل صالح کئے کہ ان کو دنیا میں اس طرح خلافت عطا کروں گا جیسے ان کو خلافت عطا فرمائی تھی جو پہلے گذر چکے ہیں اور اُن کو اس دین کی اقتدار بخشے گا جس کو اس نے تمہارے لئے پسند کیا ہے اور خوف و ہراس کے بعد امن و اطمینان عطا فرمائے گا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ نے تین باتوں کا وعدہ فرمایا ہے:۔

(۱) جس طرح پہلوں کو دنیا میں خلافت، (اقتدار اعلیٰ یا بادشاہت) عطا ہوئی تھی تم کو بھی اقتدار اعلیٰ حاصل ہوگا۔

(۲) جو دین تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے یعنی دینِ اسلام اس کو اقتدار حاصل ہوگا۔ اس کا حکم بلند ہوگا۔ اور سارے عالم میں اس کا ڈنکا بجے گا۔

(۳) خوف و ہراس کے بدلہ میں تمہارا رعب و داب قائم ہوگا، تمہاری دھاگ دنیا میں بیٹھے گی، تم کسی سے نہ ڈرو گے، دنیا سے خوف کھاتی رہیگی۔

محترم بزرگو!

اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کی بنیاد دو چیزوں پر رکھی ہے۔ ایمان اور عمل صالحہ عمل صالح وہی ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ۲۳ سالہ دورِ حیات میں پیش فرمایا۔ اور دنیا کو دکھایا کہ وحشت و بربریت کی پس ماندگیوں میں پڑی ہوئی قوم اس طرح تہذیب و تمدن بلند کردار اور اقتدار اعلیٰ کی سب سے اونچی اونچی چوٹی پر پہونچا کرتی ہے۔

محترم بزرگو! عمل صالح کے لئے ہمیں کسی تفتیش و تحقیق کی ضرورت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار اور آپؐ کی سنت مبارکہ عمل صالح ہے۔ اور دنیا شاہد ہے کہ جب تک مسلمان اس صالح عمل پر قائم رہے، حق تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرماتا رہا۔ اسی ایمان اور عمل صالح کا نتیجہ تھا۔ کہ مسلمانوں کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہوا۔ بحر اٹلانٹک سے بحر پاسفک تک سائبیریا سے ریگستان افریقہ تک اقتدار مسلم کے جھنڈے لہراتے رہے۔ خود اس ہندوستان میں جو ذکر اسلام سے ڈھائی ہزار میل کے فاصلہ پر ہے۔ آٹھ سو برس تک اقتدار کی باگ ڈور تمہارے ہاتھوں میں رہی۔ یہ نتیجہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے کا یہی وہ عمل صالح تھا، جس کی بدولت یہ عزت حاصل ہوئی تھی۔

محترم بزرگو! اللہ تعالے نے جس طرح عروج و ترقی کے اصول بنائے تھے۔ یہ ضمانت بھی دے دی تھی کہ جب تک یہ اعمال صالح باقی رہیں گے۔ عروج میں زوال نہیں آ سکتا۔ اور اگر تمہارے اعمال بدل جاتے ہیں تو زوال یقینی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَكُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

(سورہ انفال)

کوئی نعمت جو اللہ تعالے کسی کو عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو نہیں بدلتا۔ جب تک وہ خود اپنے اندر تبدیلی نہ پیدا کر لیں۔

محترم بزرگو!

ہم نے آہستہ آہستہ عمل صالح کو چھوڑا، غیروں کی راہ اختیار کی۔ جب ہم نے بدقسمتی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ کو آپ کی سنتوں اور آپ کے طریقوں کو چھوڑ دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے فضل و انعام کے اُس سایہ کو اٹھا لیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں عطا فرمایا تھا۔ محترم بزرگو! ہمارا اقتدار طفیل تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیوں کا ہم نے یہ مقدس دامن چھوڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم دنیا میں ذلیل و خوار ہوئے۔ آزادی کی بجائے غلامی ہمارے سر پڑی۔ آج بھی اگر ہم اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کا راستہ کھلا ہوا ہے وہی عمل صالح اور ایمان و اذعان جس پر پہلے اقتدار مسلم کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اس کو اختیار کر لیں۔ ہمارے عزت و حرمت کی گری ہوئی عمارت پھر سربفلک ہو جائے گی۔

میرے بھائیو! ہمیں جو کچھ فخر حاصل ہے وہ صدقہ ہے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا اور آپ کے دامن سے وابستہ ہونے کا اور آپ کے طور و طریق پر عمل کرنے کا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی طفیل ہے کہ مسلمان جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں قَلِیْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ فرمایا تھا۔ یعنی قلیل اور اتنے قلیل کہ لوگ ان کو اس طرح اچک لیں۔ جیسے باز چڑیا کو اچک لیتا ہے۔ ان کو عظیم الشان سلطنتیں بخشیں۔ قلت کے بجائے ان کو کثرت سے نوازا۔ نیویارک ٹائمز نے ایک مرتبہ لکھا تھا کہ پوری دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ستر کروڑ ہے اور میرا اندازہ ہے کہ مسلمانوں کی تعداد اسی کروڑ ہے۔ بہرحال یہ نتیجہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا، آپ سے محبت کا اور آپ کی سنتوں پر عمل کرنے کا مگر افسوس آج محبت رسول اور محبت اسلام کے دعوے تو بہت ہیں مگر عمل کا یہ حال ہے کہ ان کے طریقے اختیار کئے جا رہے ہیں۔ جو نہ صرف مسلمان بلکہ پورے اسلام کے دشمن تھے۔

یعنی اللہ تعالیٰ سے محبت کا معیار یہ ہے کہ ہر معاملہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور آپ کے طور و طریق پر عمل کیا جائے اور جو قدم بھی اُٹھے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر ہو۔ میرے بزرگو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ داڑھی بڑھائیں، مونچھیں کٹائیں۔ داڑھی مسلمانوں کا شعار ہے مگر اچھے اچھے مسلمان اس شعار کو خود اپنے ہاتھوں پامال کرتے رہتے ہیں۔ اُن کو یہ گناہ گناہ ہی نہیں معلوم ہوتا۔ حالانکہ معمولی گناہ کی بھی عادت ڈال لی جائے تو علماء کا متفقہ قول ہے کہ وہ معمولی گناہ کبیرہ بن جاتا ہے۔

میرے بزرگو! اصل ترقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے۔ اگر آپ دامن رسول صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑتے ہیں۔ اور آپ کی اتباع سے منہ موڑتے ہیں۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ آپ سے نہیں ہے وعدوں کا مدار ایمان اور عمل صالح ہے۔ اسلام صرف نام لینے کی چیز نہیں عمل کرنے کی چیز ہے۔ اسلام پر عمل کیجئے، اسلام بھی محفوظ رہیگا اور آپ بھی زندہ ہو جائیں گے میرے بزرگو! اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت نہ برتو۔ جہاں تک ہو سکے اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ سے زیادہ کرو۔ یہی ذریعہ نجات ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ما من شئی انجیٰ من عذاب اللہ من ذکر اللہ۔ ذکر اللہ سے بڑھ کر کوئی چیز عذاب سے نجات دلانے والی نہیں ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: اکثروا ذکر اللہ حتی یقال انہ لمجنون او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اللہ کا ذکر اس کثرت سے کرو کہ لوگ مجنون کہنے لگیں۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جز یاد دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است
جز سر عشق ہرچہ بخوانی بطالت ست
سعدی بشوئے لوح دل از عشق غیر حق
علمے کہ راہ حق نہ نماید جہالت ست

یہ بات ہمیشہ یاد رکھو کہ جو بھی اچھا کام کروگے سامنے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا الخ یعنی ذرا برابر خیر بھی سامنے آئے گا اور اگر ذرہ برابر شر ہو تو وہ بھی سامنے آئے گا۔ بس اللہ تعالیٰ کے ذکر کی مشق یہاں تک بڑھاؤ کہ مرنے کے وقت بے اختیار اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری ہو جائے۔

بابا رشتہ سب سے توڑ
بابا رشتہ رب سے جوڑ
بابا رشتہ حق سے جوڑ

اس کے بعد آپ نے عجیب و غریب نہایت جامع الفاظ اور پُردرد لہجہ میں اسلام اور دین کی حفاظت و ترقی اور ملک و ملت کی ترقی اور تمام حاضرین اور سب مسلمانوں کی مغفرت کے لئے دعا فرمائی (والحمد للہ)

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر شیخ الحدیث و صدر مدرس مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ کی تازہ تصنیف

طائفہ منصورہ

جس میں حضرت مولانا موصوف نے مخصوص حوالجات کے ساتھ اس جماعت کے خدوخال اور حدود اربعہ بیان کئے ہیں جو بفحوائے حدیث قیامت تک حق پر ڈٹی رہیگی اور اس کو مخالفین کی کوئی کوشش نقصان نہیں کر سکے گی اور یہ بیان فرمایا ہے کہ دیگر مقلدین حضرات عموماً اور احناف خصوصاً اس کا مصداق اولیں ہیں اور محدثین احناف و موالک شوافع اور حنابلہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی چیدہ چیدہ شخصیتوں کے مختصر سے تراجم بھی بیان کئے ہیں اور یہ واضح کیا ہے کہ یہ اکابر باوجود مقلد ہونے کے اہل الحدیث اصحاب الحدیث اور محدثین تھے اور اس باطل نظریہ کی پُرزور تردید فرمائی ہے کہ اہلحدیث کسی کے مقلد نہیں ہوتے اور شخصی رائے سے آزاد ہوتے ہیں اور متعدد دیگر گوشے بھی واضح کئے ہیں: قیمت ۲ روپے ۵۰ پیسے

ناشر:- ادارہ نشر و اشاعت نصرت العلوم گوجرانوالہ مغربی پاکستان

ملنے کا پتہ

(۱) ناظم ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ
(۲) ناظم انجمن اسلامیہ گکھڑ منڈی ضلع گوجرانوالہ

مروّجہ قوّالی کی حقیقت

محمد طفیل ممبر یونین کمیٹی لاہور

فتنوں کا دور اور اس میں نیکی کا اجر

جس دور سے ہم گذر رہے ہیں یہ فتنوں کا دور ہے۔ ایک فتنہ مٹنے نہیں پاتا کہ دوسرا اُس سے بڑھ کر پیدا ہو جاتا ہے۔ دنیا اُس وقت آیۃ کریمہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (یعنی خشکی و تری میں فساد رونما ہو چکا ہے) کا نمونہ بن چکی ہے۔ مومن کے لئے بجز اس کے چارہ نہیں کہ پکارے ؎

اے بسرا پردۂ یثرب بخواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

مگر جب یہ کیفیت ہو اور فتنے رونما ہو رہے ہوں تو اُس وقت شریعت مطہرہ کے کسی حکم کے احیاء کے لئے سعی و کوشش کرنا حضورؐ کے فرمان کے مطابق سو شہیدوں کا ثواب حاصل کرنا ہے۔ ایک اور موقع کے مناسب سرکار دو عالمؐ نے فرمایا کہ فتنوں کے دور میں اگر کوئی نیکی کی اشاعت و ترویج میں سعی کرے تو اُس کو پچاس مردوں کی نیکی کا ثواب ملے گا

صحابہ کرامؓ نے فوراً دریافت کرنے کے لئے بارگاہِ اقدس میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ پچاس ہم میں سے یا عام لوگوں میں سے؟ صادق و مصدوق نے فرمایا "پچاس تم میں سے" دیکھ لیا کس قدر حوصلہ آفریں و مسرت انگیز فرمان ہے۔

بنا بریں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ اپنے ایک مکتوب میں خان اعظم خان کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"امروز آں روز است کہ عملِ قلیل را باجر جزیل بہ اعتناء تمام قبول مے فرمایند۔ از اصحاب کہف غیر از ہجرت عملے دیگر نمایاں نیست کہ ایں ہمہ اعتبار پیدا کردہ است۔ سپاہیان در وقت غلبہ اعدا اگر اندک تردد میکنند، اعتبار بسیار پیدا مے کنند بخلاف در وقت امن و تسکین اعدا.....

....." یعنی آج وہ دن ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکی کے ایک چھوٹے سے کام پر پوری توجہ فرما کر قبول فرماتے ہیں اور بے بہا اجر ثواب عنایت فرماتے ہیں دیکھو اصحاب کہف کا راہ حق میں ہجرت کے سوا اور کوئی دوسرا کام ظاہر نہیں ہے کہ جس نے اتنا بڑا اعتبار پیدا کیا ہے۔ سپاہی لوگ اگر دشمن کے غلبہ کے وقت تھوڑی کوشش و فکر کرتے ہیں تو اُن کی خدمات کا بہت بڑا اعتبار قائم ہو جاتا ہے۔ برعکس ایسے وقت میں کہ دشمن کی جانب سے امن و امان ہو اور کوئی خطرہ درپیش نہ ہو۔"

لہٰذا اس سے بھی یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ فتنوں کے دور میں نیکی اور اس کی ترویج و اشاعت کرنا کس قدر موجب اجر عظیم ہے۔ ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"بزرگ ترین خیرات سعی در ترویج شریعت است و احیاء حکمے از احکام آں علی الخصوص در زمانیکہ شعائر اسلام منہدم شدہ باشند کروڑہا اور راہِ خدائے عزوجل و علا خرچ کردن برابر آں نیست کہ مسئلہ از مسائل شرعیہ را رواج دادن چہ دریں فعل اقتدا با انبیاء است کہ بزرگ ترین مخلوقات اند علیہم الصلوات والتسلیمات۔"

"یعنی شریعت کے رواج دینے میں کوشش کرنا سب سے بڑھ کر نیکی ہے اور شریعت کے حکموں میں سے کسی حکم کو زندہ کرنا خاص کر ایسے زمانے میں کہ اسلام کے شعائر مٹائے جا رہے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں کروڑوں روپیہ خرچ کرنا اس کام کی برابری نہیں کر سکتا کہ شریعت کے مسئلوں میں کسی ایک مسئلہ کو رواج دینا وجہ یہ ہے کہ اس کام میں نبیوں کی مطابقت اور متابعت ہے جو اس کائنات میں سب سے افضل و بزرگ ہیں علیہم الصلوات والتسلیمات۔"

اب تو آپ پر روشن ہو گیا ہوگا کہ اس نیلی چھت والے آسمان کے نیچے سب سے بڑھ کر نیکی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کا احسان عظیم ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا کر کے ہمیں خیر الامم کے خطاب سے نوازا۔ آیۃ کریمہ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔

(ترجمہ: تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو بُرے کاموں سے)

یہ صفات جس قدر عموم و اہتمام سے اُمت محمدیہ میں پائی گئیں پہلی امتوں میں اُس کی نظیر نہیں ملتی مگر یاد رکھئے خیر الامم ہونے کی شرط یہ ہے جیسا حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا جو شخص تم میں سے چاہتا ہے کہ اس اُمت خیر الامم میں شامل ہو، چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی شرط پوری کرے یعنی امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایمان باللہ جس کا حاصل ہے خود درست ہو کر دوسروں کو درست کرنا جو شان حضرت صحابہ رضی اللہ عنہم کی تھی۔

اے ناظرین باتمکین! دین اسلام اکمل اور کامل ترین دین ہے۔ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ط جب نعمت کامل ہو گئی تو پھر کامل چیز کو ہی باقی رہنا چاہیئے اس کی جگہ کسی دوسری چیز کا آنا نقص کا ظہور ہوگا نہ کہ تکمیل کار کا۔ مسلمان آج کل اپنے تقاضوں کو بَر لانے کے لئے دین کو مسخ کرنے کی فکر میں ہیں گویا دین ان کی دانست میں ناقص ہے عیاذاً باللہ

جس طرح سے لوگ آج کل اشیاء میں ملاوٹ کرنے کے عادی بن چکے ہیں اس طرح دین و مذہب میں بھی خاصی ملاوٹ کر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ۱۹۵۷ء میں

عیدین کے موقعہ پر حقیقی اور اصلی نماز کے مقابلے میں ایک خود ساختہ نماز وضع کی گئی (یعنی اردو میں نماز) جو عید اور بقرعید کے موقع پر گول باغ میں پڑھی جاتی ہے۔ یہ ایک بدعت ہی نہیں بلکہ ایک فتنۂ عظیمہ اور اسلام سے کھلم کھلا بغاوت ہے۔ کرنے والے اس کو اپنے زعم میں ایک بہت بڑی نیکی سمجھتے ہیں مگر درحقیقت یہ چیز اصلی اور حقیقی نماز پر ایک ضرب کاری ہے اور اس کو کرنے والے کس ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی سے اس پر مُصر ہیں۔ چنانچہ اس خادم دین نے جولائی ۱۹۵۷ء میں ایک پمفلٹ بعنوان "اردو میں نماز" ایک فتنۂ عظیمہ اور اس کی روک تھام تحفظ ایمان اور سالمیت پاکستان" شائع کرکے مفت تقسیم کیا۔

بعض حرص و ہوا کے بندے عیدالضحیٰ کے موقع پر قربانی بند کرنے کی فکر میں رہتے ہیں اور بعض کو اپنی رائے کے اظہار کا ایسا ہیضہ ہو گیا ہے کہ انہیں یہ پتہ ہی نہیں کہ جس چیز میں وہ دخل دیتے ہیں وہ کتاب اور سنت سے ثابت شدہ ہے۔ اور جمہور اہلِ اسلام چودہ سو سال سے اس پر عمل پیرا ہیں۔

سچ پوچھئے تو آج کل مذہب کے بارے میں لوگوں کا عجیب مذاق ہو گیا ہے ذرا کسی نے پڑھ لکھ لیا جھٹ دین اور شرع میں دخل دینے کے لئے تیار ہو گیا۔ اور طرفہ یہ کہ سمجھتے ہیں کہ یہ عقل کی بات ہے حالانکہ یہ نقصان عقل کی دلیل ہے۔ کہ اس کام میں دخل دیا جائے جس کو آدمی نہ جانتا ہو۔ کتنا ہی کوئی عاقل ہو اس کو ایک ادنیٰ درجہ کے کام میں بھی جس کو وہ جانتا نہ ہو دخل نہ دینا چاہئے۔ موجودہ دور میں تو یہ مسئلہ تمام جہان کے نزدیک مسلّم ہو گیا ہے کہ تقسیم کار کے بغیر چارہ نہیں اور ترقی کا مدار بھی یہی ہے کہ جس فن کا جو آدمی ماہر ہوتا ہے اُس کا فیصلہ اُس فن کے متعلق ناقد اور قطعی مانا جاتا ہے۔ ڈاکٹر کی مثال لیجیے یا وکیل کی، بڑھئی کی مثال لیجئے یا حکیم کی حتیٰ کہ جولاہہ کے کام میں بھی کوئی غیر ماہر فن خواہ وہ کتنا ہی تعلیم یافتہ ہو دخل نہیں دے سکتا۔ مگر اسلام اور دین ہی ایسا سستا ہے جو چاہے قطع و برید کرے جب چاہے، جیسی چاہے شکل بگاڑ کر رکھ دے اور صرف اتنا ہی کافی سمجھ لیا جائے کہ دین میں کوئی جبر و اکراہ نہیں۔ عام اجازت ہے جس طرح چاہے عمل کرے کوئی روک نہیں، کوئی ٹوک نہیں۔ یہ چیز ہے تو غیر مسلموں کے لئے یعنی لااکراہ فی الدین، یعنی دین میں کوئی سختی نہیں بغیر مسلموں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے دو، کوئی تعرض نہ کرو۔ نہ سختی سے کام لو۔ مگر تعجب اور ہزار تعجب ہے مسلمانوں نے اس کا اطلاق کلیتہً اپنے اوپر بھی کر لیا ہے اور یہاں تک اس کو پھیلایا گیا ہے کہ حرام کو حلال، حلال کو حرام، جائز کو ناجائز اور ناجائز کو جائز، حق کو باطل اور باطل کو حق قرار دے کر بھی یہی کہا جاتا ہے کہ دین میں کوئی سختی نہیں۔ عمل کرنے دیجئے اور اپنے قدح کی خیر منائیے۔ موسیٰ بدین خود عیسیٰ بدین خود۔ ایک شخص خود تو بدعمل ہو سکتا ہے، بدعقیدہ بھی ہو سکتا ہے مگر تعلیم حقہ کے بدلنے کا کسے حق حاصل ہے! دین میں کسی نئی چیز کا ایجاد کرنا تو بدعت ہے جس کے لئے سخت وعید ہے مگر وحی کے پیغام کو بدلنا یا اُسے مسخ کرنا یا اس کے مقابلہ میں اپنی آرا کو ترجیح دینا یہ تو صریح اور کھلم کھلا اللہ تعالیٰ سے بغاوت ہے کیونکہ حضرت حق جل شانہٗ وہ ذات مقدس ہے جو علیم ہے اور حکیم ہے اُس کو حکم فرماتے وقت ہر بات کا علم کامل تھا اور ساری ضرورتوں اور مصلحتوں پر نظر تھی اور اب وحی کے احکام کی ترتیب اور نظم کو بدلنا اور اپنی آرا اور خواہش کے مطابق کتاب و سنت سے ثابت شدہ باتوں کے برعکس کرنا گویا الزام و تہمت لگانا ہے کہ نعوذ باللہ یہ شق اللہ تعالیٰ کے علم میں نہ تھی اور اب ہم اس کی تکمیل کرتے ہیں کیونکہ زمانہ بہت بدل چکا ہے اور نہایت ترقی یافتہ ہے۔ ترقی کا مطلب بھی ان کے ہاں عجیب ہے۔ ترقی کہتے ہیں کسی چیز کی زیادتی کو۔ مثلاً مال و زر میں ترقی، جسم و جان میں ترقی وغیرہ۔ اب سمجھئے کہ چوری اور ڈاکہ زنی سے بھی مال و زر بڑھ سکتا ہے۔ کیا یہ ترقی نہیں؟ پھر بدن پر ایک بہت بڑا دنبل یعنی پھوڑا نکل آئے جس میں کافی لہو و پیپ ہو تو کیا یہ ترقی نہیں؟ بے شک زیادتی اور ترقی تو ہے مگر کسی کو مطلوب و محمود نہیں اور نہ کوئی اہل عقل اس کو ترقی کہہ سکتا ہے۔ ہاں اگر ترقی کا لفظ پسندیدہ ہے تو یہ ترقی کا ہیضہ ہے۔ پس اگر کوئی دین اسلام اور شریعت کی باتوں کو بدلنے کی کوشش کرے یا عملاً بدل ڈالے اور حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر ڈالے تو یہ بھی ایک ڈاکہ زنی ہے اور کوئی بھی اس کو ترقی نہیں کہہ سکتا۔ یاد رکھئے ترقی وہی ہے جو نافع دین ہے۔ اور تنزل وہی ہے جو مضر دین ہے۔ دین متبوع ہے اور دنیا تابع۔ دنیا کے ترک کرنے کا حکم نہیں بلکہ دین کے تحت رکھنے کا حکم ہے ؎

چیست دنیا از خدا غافل بودن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

یعنی دنیا تو اس چیز کا نام ہے جو خدا کی یاد و اطاعت سے غافل کر دے سیم و زر، چاندی سونے، بال بچوں، تجارت و کاروبار وغیرہ مراد نہیں۔

مذکورہ بالا عبارت سے اتنا تو پتہ چل گیا ہوگا کہ فتنوں کے دور میں شریعت کی ترویج اور اس کے احکام کی تبلیغ کرنا کتنی عظیم الشان دینی و ملّی خدمت ہے اور برعکس اس کے شریعت کے حکموں کو توڑ مروڑ کرکے اپنی رائے کے تابع کرنا یا اس کا استہزا اور استخفاف کرنا کس قدر سرکشی و بغاوت کا ثبوت دینا ہے۔ آج کل جس دور سے ہم گذر رہے ہیں مسلمانوں کے اندر ایک ایسی چیز گھر کر گئی ہے۔ جس کا چھوڑنا اور نکلنا نہایت مشکل ہو گیا ہے کیونکہ غلط تصوّف اور باطل سلوک کا ملمع اُس پر اتنا گہرا چڑھ چکا ہے جس کا اترنا یا اتارنا سہل نہیں۔ آپ متمنی اور مشتاق ہوں گے کہ آخر وہ کیا شئے ہے جو اس وقت موضوع بحث ہے۔ جناب والا یہ ہے آج کل کی مروجہ قوالی یا سماع ہے۔ جس کا ہر چہار طرف زور ہے اور ہر مجلس میں شور ہے۔ اب تو اس کو ایسی عبادت اور ریاضت سمجھا جاتا ہے کہ اور کوئی عبادت اور ریاضت اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ چاروں طریقت والے یعنی نقشبندی، چشتی، قادری اور سہروردی، کسی نہ کسی رنگ میں حصہ لیتے ہی رہتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

بقیہ

اولیائے کرام کی تعلیم

بلندی پر یا زمین کی تاریک گہرائیوں میں رکھی ہو وہ بھی اللہ عزوجل سے مخفی نہیں ہو سکتی۔ جب وقت آئے گا وہیں سے لا حاضر کرے گا۔ اس لئے آدمی کو چاہیئے کہ عمل کرتے وقت یہ بات سامنے رکھے کہ ہزار پردوں میں بھی جو کام کیا جائے گا اللہ کے سامنے ہے۔ چنانچہ نیکی یا بدی جو کچھ بھی کی جائے اور کیسی ہی چھپ کر کی جائے اس کا اثر ضرور ظاہر ہو کر رہتا ہے۔

(۳) اقامتِ صلوٰۃ۔ نماز کہ ساری عبادات کا خلاصہ ہے اسے اس طرح ادا کیا جائے جو اس کا حق ہے۔

(۴) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ توحید اور بندگی پر قائم ہو کر دوسروں کو بھی نصیحت کرنا کہ بھلی بات سیکھیں اور بُری بات سے رکیں۔ یعنی فریضہ تبلیغ سرانجام دیا جائے۔

(۵) صبر علی المصائب، فریضہ تبلیغ کی راہ میں پیش آنے والی سختیوں کو خندہ پیشانی، تحمل اور اولوالعزمی سے برداشت کیا جائے کیونکہ شدائد سے گھبرا کر ہمت ہار دینا حوصلہ مند بہادروں کا کام نہیں۔ مصائب پر مسکرانا اور انہیں خندہ پیشانی سے جھیلتے ہوئے آگے بڑھنے سے ہی گوہر مقصود ہاتھ آسکتا ہے۔

(۶) تکبّر سے نفرت اور غرور سے تنفّر کا شیوہ اختیار کرنا چاہیئے۔ تکبّر کرنا شیطان کی پیروی ہے اور خداوند قدوس کو کسی صورت میں پسند نہیں۔ اس لعنت سے اپنے آپ کو بچانا ہی کامیابی ہے۔

(۷) اترانے اور شیخیاں مارنے سے انسان کی عزت میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ وہ ذلیل اور حقیر ہوتا ہے۔ اگر سامنے نہیں تو پیچھے لوگ ضرور بُرا کہتے ہیں۔

(۸) تواضع، متانت اور میانہ روی کی چال ہی اختیار کرنی چاہیئے۔

(۹) بے ضرورت بولنا اور کلام کرتے وقت حد سے زیادہ چلانا بُری صفات ہیں ان سے احتراز کرنا ضروری ہے۔ اگر اونچی آواز سے بولنا کوئی کمال ہوتا تو گدھا بہت بڑا باکمال ہوتا۔

(۱۰) انسانوں سے بے رُخی برت کر ان کا دل نہ دکھانا چاہیئے۔

برادرانِ محترم!

آپ نے ملاحظہ فرمایا ایک ولی اللہ نے اپنے بیٹے کو خالق اور مخلوق دونوں کو راضی رکھنے کا جو عجیب پروگرام بتایا اُس کا حاصل کیا ہے۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ خالق کو بعبادت اور مخلوق کو بخدمت راضی رکھا جائے۔ انسان کا مقصدِ تخلیق بھی از روئے قرآن صرف بندگی ہی ہے۔ زندگی بندگی کے بغیر شرمندگی سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی

بندہ آمد از برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

اور یہ بھی مسلمہ امر ہے کہ عبادت خلقِ خدا کو دُکھ پہنچانے اور انسانوں کا دل دُکھانے کے بعد اکارت چلی جاتی ہے اور بارگاہِ خداوندی میں اس کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔

عبادت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست،

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اولیائے کرام کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی مرضیات پر عمل پیرا ہونے کی سعادت نصیب کرے۔ آمین۔

بقیہ

مجلسِ ذکر

وَمَالَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

(پھر جب حج کے ارکان ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو جیسے تم اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے۔ یا اس سے بھی بڑھ کر یاد کرنا پھر بعض تو کہتے ہیں اے رب ہمارے ہمیں دنیا میں دے اور اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور بعض یہ کہتے ہیں اے رب ہمارے ہمیں دنیا میں نیکی اور آخرت میں بھی نیکی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

ذکر اللہ کرنے میں کوئی تعین نہیں ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہاتھ میں تسبیح ہو جس وقت چاہے انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرسکتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد اللہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کرو۔ حضور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتے تھے۔

لا الٰہ الّا اللہ کی فضیلت بہت زیادہ ہے۔ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارا اور محبوب ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ مجھ سے اپنے ماں باپ، بیوی بچوں اور ساری دنیا سے زیادہ محبت نہ کرے۔

ہم ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ ہم کو حضورؐ سے کتنی محبت ہے ہم حضور کی کتنی سنتوں پر عمل کرتے ہیں، ہماری شکل وصورت حضورؐ کے خلاف، ہمارا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، مرنے اور جینے اور شادی کی رسمیں حضورؐ کے خلاف ہیں۔

یہ قاعدہ ہے کہ جس کے ساتھ محبت ہوتی ہے، اس کی شکل وصورت اور عادات کو اپنایا جاتا ہے۔ اگر ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی محبت ہے اور زبانی دعویٰ نہیں تو ہم ضرور حضورؐ کی صورت کو اپنانے کی کوشش کریں گے۔ حضورؐ کی طرح ضرور ذکر اللہ کی زیادتی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا بہت اچھی بات ہے۔ فرائض کی ادائیگی کے بعد ذکر اللہ کی کثرت کی جائے۔ مقصود اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تقویٰ و پرہیز گاری ہے۔ اگر انسان سے کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے۔ اس پر اصرار نہ کرے اور نہ ہی اسے بار بار کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ بہت غفور و رحیم ہے وہ بہت جلد توبہ قبول کر لیتے ہیں

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نماز، روزہ حج وغیرہ کی عبادات کے بعد یہ نہیں کہ خالی بیٹھ جاؤ بلکہ میری کثرت سے یاد کرو۔ کلمہ، استغفار، درود شریف پڑھنا یہ سب اللہ کا ذکر ہے۔ اگر انسان حج کرنے کے بعد پھر گناہوں میں مبتلا ہو جاتے، نماز پڑھنے کے بعد

بھی گناہ کرتا رہے۔ روزہ رکھنے کے بعد اپنی خواہشات پر قابو نہ رکھ سکے تو پھر ایسی عبادات کا کوئی فائدہ نہیں۔ فائدہ اُسی وقت ہوگا جب انسان فرائض اور عبادت خداوندی کے بعد بھی انسان گناہوں سے بچتا رہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین حق پر قائم رکھے اور خاتمہ ایمان کامل پر فرمائے۔ (آمین)

بقیہ

حضرت علیؓ

رسول پاک کی دیکھا دیکھی دیگر اصحابؓ نے بھی آپؐ کی تقلید کی جب کھجوریں کھائی جا چکی تو رسولِ پاکؐ نے دریافت فرمایا کہ سب سے زیادہ کھجوریں کس نے کھائیں، حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ جس کے آگے گٹھلیاں زیادہ ہیں۔ حضرت علیؓ نے فوراً عرض کی کہ نہیں کھجوریں اس نے زیادہ کھائی ہیں جو گٹھلیوں سمیت ہی کھا گیا۔

ایک دفعہ ایک جنگل میں آپ نے ایک یہودی کو نیچے گرایا اور آپ اس کے سینے پر بیٹھ گئے۔ یہودی نے آپ کے منہ پر تھوک دیا۔ آپ جھٹ اس کے سینے سے اتر گئے۔ یہودی نے پوچھا کہ اے علیؓ! آپ تو مجھے قتل کرنے والے تھے پھر چھوڑ کیوں دیا۔ فرمایا: مسلمان ہر کام اللہ کے لیے کرتا ہے۔ میں خدا کے لیے تجھے قتل کرنا چاہتا تھا مگر تمہارے تھوکنے سے میرا ذاتی معاملہ اور ذاتی غصہ شامل ہو گیا۔ لیکن مسلمان کبھی ذاتی انتقام نہیں لیتا۔ اس لیے میں نے تمہیں چھوڑ دیا۔

یہودی اس واقعہ سے بے حد متاثر ہوا اور جھٹ مسلمان ہو گیا۔

ارشاداتِ حضرت سلیمانؑ

- سخن جو موقع پر کہا جاوے سونے کے سیبوں کی مانند ہے جو روپہلی ٹوکریوں میں ہوں۔
- خدا کا ہر سخن پاک ہے وہ اُن کے لئے جن کا توکل اُس پر ہو ایک سپر ہے۔
- خاموش آدمی خرد مند ہے، احمق بھی جب تک چپکا ہے عقلمند شمار ہوتا ہے۔
- بے دانش کا منہ اس کی ہلاکت ہے اور اس کے ہونٹ اس کی جان کے لئے پھندے ہیں۔
- مجرد لوگوں کی راہ میں کانٹے اور پھندے ہیں وہ جو اپنی جان کی نگہبانی کرتا ہے اُن سے دُور رہے گا۔
- بیوقوف کے کانوں میں باتیں مت ڈال کیونکہ وہ بجائے عمل کرنے کے تیرے دانشمند کلام کی تحقیر کرے گا۔
- تھوڑا جو خداوند کے خوف کے ساتھ ہو۔ اُس بڑے گنج سے جو رنج کے ساتھ ہو۔ بہتر ہے۔
- ٹھٹھا کرنے والے کو تنبیہ مت کر ایسا نہ ہو کہ وہ تیرا کینہ رکھے۔ دانشمند کو تنبیہ کر کہ وہ تجھے پیار کرے گا۔
- جو شخص مسکین پر ہنستا ہے گویا اس کے بنانے والے کی حقارت کرتا ہے اور جو اوروں کی مصیبت سے خوش ہوتا ہے بے گناہ نہ ٹھیرے گا۔

اقوال: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ

(۱) اے اہل غرور! تمہیں دنیا کی کس چیز نے مغرور بنا رکھا ہے حالانکہ یہ ایسا گھر ہے کہ اس میں بھلائی بہت قلیل اس میں طرح طرح کے شر موجود۔ اس کی نعمتیں سریع الزوال اُس سے صلح رکھنے والا مغلوب اس کا مالک در حقیقت مملوک اور اس کا سامان آخر کار متروک ہے۔

(۲) فرمایا، دنیا ایک ایسا گھر ہے جس کا اول تکلیف اور اس کا آخر فنا ہے اس کی حلال چیزوں پر حساب اور حرام چیزوں پر عذاب ہوگا۔ جو شخص اس میں غنی ہے وہ اکثر فتنے میں مبتلا اور جو فقیر و محتاج ہے وہ غم میں گرفتار ہے۔

(۳) عقلمند وہ ہے جو غیروں سے عبرت حاصل کرے نہ کہ خود دوسروں کے لئے باعث عبرت بنے

(۴) ہوشیار وہ ہے جو زمانہ کی روش پر چلے

(۵) عقلمند کا ایک نصف بردباری اور دوسرا نصف چشم پوشی ہے۔

(۶) کینہ کے ساتھ بھلا کرنا نہایت بُرا فعل ہے۔

(۷) فاسق کی بُرائی کرنا غیبت نہیں ہے۔

(۸) بُرا آدمی کسی کے ساتھ نیک گمان نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہ ہر ایک کو اپنے جیسا خیال کرتا ہے۔



بچوں کا صفحہ

حضرت علیؓ

حافظ محمد امین صاحب ہیڈ ماسٹر بورسٹل جیل، لاہور

آپ کے والد کا نام ابو طالب ہے اور رسولِ پاکؐ کے چچیرے بھائی ہیں۔ رسولِ پاکؐ عمر میں آپ سے ۲۸ برس بڑے ہیں۔ جب حضرت علیؓ دنیا میں تشریف لائے تو آپ کے والد نے آپ کا نام اسد اور آپ کی والدہ نے زید رکھا۔ اسی اثنا میں جب کہ نام رکھا جا رہا تھا تو رسولِ پاکؐ تشریف لائے۔ آپؐ نے آپ کا نام "علیؓ" رکھا۔ جس کے معانی اعلیٰ یعنی بڑے کے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ اسد اللہ، ابو الحسن، ابو تراب اور فاتح خیبر کے ناموں سے بھی کافی معروف ہیں۔ آپ چونکہ بہت بہادر تھے اس طرح آپ کا نام "اسد اللہ" پڑ گیا۔ جس کے معانی "اللہ کا شیر" کے ہیں۔ آپ چونکہ حضرت حسنؓ کے والد تھے اس وجہ سے آپ کو ابو الحسن بھی کہا جاتا ہے۔ ایک دن آپ مٹی میں لتھڑے ہوئے تھے کہ رسولِ پاکؐ نے آپ کو دیکھ کر ابو تراب کا نام عطا فرمایا۔ عربی زبان میں "تراب" مٹی کو کہتے ہیں۔ جنگِ خیبر میں بے مثال بہادری کی وجہ سے آپ کو فاتح خیبر کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

رسولِ پاکؐ کی پرورش کا ذمہ بھی آپؓ کے والد ماجد اور دادا کے بعد جناب ابو طالب نے ہی اٹھا رکھا تھا اسی وجہ سے رسولِ پاکؐ حضرت علیؓ سے بہت پیار کرتے۔ اور چچا کے احسان سے سبکدوش ہونے کے لئے اپنی لختِ جگر مائی فاطمۃ الزہراؓ کو حضرت علیؓ کے عقد میں دے دیا۔ دوسرے حضرت علیؓ کی پرورش اور تربیت بھی رسولِ پاکؐ نے کی اور انہیں اپنے رنگ میں خوب رنگ چڑھایا۔ حضرت علیؓ کو رسولِ پاکؐ کے چچیرے بھائی ہونے کے علاوہ مائی فاطمۃ الزہراؓ کی زوجیت دوسری انتہائی فضیلت بخشی گئی۔ چنانچہ رسولِ پاکؐ نے جب نبوت کا دعوٰے کیا تو حضرت علیؓ نے سب پہلے لبیک کہا۔ اور جب رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کون میری مدد کرے گا تو حضرت علیؓ نے فوراً فرمایا کہ مَیں کروں گا۔ بچپن کی عمر میں آپ کے منہ سے یہ بھولے بھالے الفاظ آپؐ کو بہت پیارے معلوم ہوئے۔ اور واقعی بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ حضرت علیؓ نے رسولِ پاکؐ کی مدد فرمانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی اور خوب امداد فرمائی۔

جب اہل مکہ نے رسولِ پاکؐ پر قافیہ تنگ کر دیا اور آپؐ کو قتل کرنے کی سازش بنائی مگر آپؐ حکم خداوندی سے ہجرت فرما گئے۔ اس وقت اہل مکہ کی بہت سی امانتیں رسولِ پاکؐ کے پاس تھیں۔ چنانچہ رسولِ پاکؐ نے وہ تمام امانتیں حضرت علیؓ کے سپرد کر کے انہیں اپنے بستر پر سُلا دیا کہ امانتیں واپس کرنے کے بعد مدینہ تشریف لائیں ان خطرات میں رسولِ پاکؐ کے بستر پر سونا بے پناہ جرأت اور رسولِ پاکؐ سے بے پناہ محبت کا واضح ثبوت ہے۔ حضرت علیؓ بہت بہادر اور جرّار تھے۔ بڑے بڑے سورما آپ کے نام سے تھرا جاتے تھے آپ نے تقریباً تمام غزوات میں شرکت کی اور ہمیشہ بے مثال بہادری کا نمونہ پیش کیا۔ اکیلے دشمن کی صفوں کے منہ پھیر دینا اور شکست کو فتح سے بدل دینا آپ ہی کے زورِ بازو کا خاصا تھا۔ جنگِ اُحد میں جب رسولِ پاکؐ کے دانت مبارک شہید ہوئے تو آپؐ چکرا کر ایک گڑھے میں گر پڑے۔ اس وقت حضرت علیؓ نے آپؐ کے لئے ڈھال کا کام دیا اور آپؐ کی پوری پوری نگہداشت کی۔

جنگِ خندق میں مسلمانوں نے شہر کے باہر خندق کھود کر شہر کے اندر ہی رہ کر کفار کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ محاصرہ سے تنگ آ کر عمرو بن عبدود چند سواروں کے ہمراہ خندق پھاند کر اندر آ گیا۔ عمرو کفار کا ایک مشہور اور بہادر سردار تھا جو اکیلا ایک ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا۔ اس نے آتے ہی مقابلہ کے لئے للکارا۔ حضرت علیؓ فوراً تلوار لے کر آگے بڑھے۔ مگر عمرو ایک نوجوان سے مقابلہ کرنا اپنی توہین سمجھتا تھا۔ اس لئے آپؓ سے لڑنا گوارا نہ کیا۔ مگر حضرت علیؓ نے فرمایا تم مجھے مارو نہ مارو مَیں تمہیں قطعاً نہیں چھوڑ سکتا۔ اس پر وہ گھوڑے سے اُتر آیا۔ وہ ابھی تلوار بھی اٹھانے نہ پایا تھا کہ حضرت علیؓ نے ایک ہی وار سے اسے خاک و خون میں لِٹا دیا۔ اسی طرح جنگ خیبر میں بھی آپ نے بے مثال بہادری دکھائی۔ باقی تمام قلعے فتح ہو گئے مگر مرحب جو یہودیوں کا ایک نامور سردار تھا کا قلعہ بیس دن میں بھی سر نہ ہو سکا۔ آخر رسولِ پاکؐ نے عَلَم حضرت علیؓ کے ہاتھ میں دیا اور آپؓ نے ایک ہی دن میں قلعہ فتح کر لیا۔ اور مرحب پر تلوار سے ایسا وار کیا کہ تلوار خود کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی۔ اور وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ اسی وجہ سے آپ کو فاتح خیبر بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت علیؓ صاحبِ سیف ہونے کے علاوہ صاحب قلم اور بہت بلند پایہ عالم تھے۔ اور تلوار اور قلم دونوں کے دھنی تھے "منہاج البلاغت" آپ کی مشہور کتاب ہے۔ شعر و شاعری سے بھی آپ کو لگاؤ تھا اور آپ اچھے خاصے شاعر تھے۔ ان سب چیزوں کے علاوہ آپ میں تفنن، ظرافت اور مزاح بھی پائی جاتی تھی چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ صدیق اکبرؓ، عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ تینوں بازار میں کسی کام کے لئے اکٹھے جا رہے تھے حضرت ابوبکرؓ اور فاروقؓ دونوں دراز قامت تھے اور حضرت علیؓ کا قد پست تھا۔ آپ دونوں اصحابؓ کے درمیان چل رہے تھے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ علیؓ ہمارے درمیان یوں ہیں جیسے "لنا" میں نون۔ گویا آپ نے نہایت لطیف پیرائے میں حضرت علیؓ سے مزاح فرمایا۔ حضرت علیؓ یہ سُن کر مسکرائے۔ اور فرمایا کہ اگر لنا میں سے نون نکال لیا جائے تو تم دونوں "لا" ہو جاؤ۔ جس کے معانی ہیں کچھ بھی نہیں۔

اسی طرح ایک دن رسولِ پاکؐ، صدیق اکبرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ چاروں اکٹھے بیٹھے کھجوریں کھا رہے تھے کہ رسولِ پاکؐ نے کھجوروں کی گٹھلیاں حضرت علیؓ کے سامنے رکھنی شروع کر دیں

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۴۷

The Weekly "KHUDDAMUDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

ایڈیٹر
عبیداللہ انور

منظور شدہ محکمہ تعلیم (۱) لاہور یجن بذریعہ چٹھی نمبری ۷/۱۶۳۲۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری C.B.T. ۲۷۳۰-۲۴۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء